مسلکِ اعلیٰ حضرت کا ترجمان علمی ادبی فکری دعوتی اور اصلاحی مجلہ
سہ ماہی
پیامِ بصیرت
سیتامڑھی
چھٹا آن لائن شمارہ
اکتوبر نومبر دسمبر
۲۰۲۲ء
حضور علیہ السلام کی عائلی زندگی
دینی جلسوں میں اصلاحی مقاصد کا فقدان
علم طب میں مسلمانوں کے کارنامے
حسان الہند کی نعتیہ شاعری میں تشبیہات کا رنگ
میانہ روی ہی اختلاف کا سد باب
مدیر اعلیٰ: محمد فیضان رضا علیمی
نائب مدیر: محمد عامر حسین مصباحی
مدیر معاون: محمد شفاء المصطفیٰ مصباحی
ناشر
جماعت رضائے مصطفیٰ شاخ سیتامڑھی
JAMAT RAZA-E-MUSTAFA
MARKAZ-E-AHLUSUNNAT

بظلِّ روحانی
فقیہ اسلام خلیفہ مفتی اعظم ہند حضرت
مفتی عبد الحلیم صدیقی رضوی اشرفی
علیہ الرحمہ

بظلِّ روحانی
تاج الشریعہ حضرت علامہ الشاہ
اختر رضا خان قادری
علیہ الرحمہ

بفیضِ روحانی
غوث الثقلین حضور سیدنا
غوثِ اعظم شیخ
شیخ عبد القادر جیلانی
رضی اللہ عنہ

چھٹا آن لائن شمارہ

مسلک اعلیٰ حضرت کا ترجمان علمی ادبی فکری دعوتی اور اصلاحی مجلہ

ماہی پیامِ بصیرت سیتامڑھی

اکتوبر نومبر دسمبر ۲۰۲۲ء

جلد (۲)

شمارہ (۶)

رابطہ کریں:

جماعت رضائے مصطفیٰ شاخ سیتامڑھی کا ممبر شپ حاصل کرنے کے لیے یا کسی بھی طرح کی دینی وسماجی ضرورت کے لیے دفتر سے رابطہ کریں۔

جماعت رضائے مصطفیٰ شاخ سیتامڑھی

رضا باغ گنگٹی ، وایا، پوپری، ضلع سیتامڑھی ، بہار

پن: 843320 موبائل نمبر: 7398483995-9936389814

9060158121 — 8604387933

faizanrazarazvi78692@gamail.com
aamirhusainmisbahi37@gamail.com

تزئین کار: محمد عامر حسین مصباحی 9060158121

نگارشات

اداریہ

مزاراتِ مقدسہ پر خواتین کو جانے کی ممانعت!!

از: مدیر اعلیٰ: سہ ماہی پیامِ بصیرت، سیتامڑھی

☆☆☆

مذہبِ اسلام ایک صاف وشفاف اور ستھرا دین ہے، اس کی پاکیزگی ونفاست آیاتِ قرآنیہ اور احادیث کریمہ سے ثابت ہے۔ اسلام کی حقانیت اور صداقت کا راز اس قدر روشن وتابناک ہے کہ مذاہبِ باطلہ بھی اس کے معترف ہیں۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ سختی سے اپنے احکام پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتا ہے اور اگر اس کے مطیع وفرماں بردار راہِ ہدایت سے برگشتہ ہوتے ہیں تو اس کی سرزنش بھی کرتا ہے۔ صد حیف!! اس کے ماننے والے ہی اس کی پاکدامنی پر قدغن لگا رہے ہیں اور مذہبی رہنماؤں کے پاس اس کے سد باب کی خاطر فی الحال کوئی تدبیر بھی نہیں ہے اور اگر کوئی برائی کو اجاگر کرتا ہے تو اس کو بزرگوں کا گستاخ اور عرس کا مخالف نام دے کر خاموش کر دیا جاتا ہے۔

اولیاے امت و بزرگانِ دین کے اعراس کی تاریخ کس قدر پر کیف اور باعظمت ہوتی ہے یہ اہلِ عقیدت ومحبت سے مخفی نہیں، ان کے قل شریف کے وقت جو انوار وتجلیات کی برسات ہوتی ہیں اس کا بندۂ عاصی بھی قائل ہے، اسی لیے فقیر قل شریف کی محفل میں شرکت کا متمنی بھی رہتا ہے۔ لیکن افسوس تب ہوتا ہے جب جو بزرگ زندگی بھر اپنے سامنے عورتوں کو آنے نہیں دیے، مسلکِ اعلیٰ حضرت اور ان کے مشن کو فروغ دیتے رہے ان کے ہی عرس کی تقریب میں عورتوں کا بڑا شاندار اور ساری نسوانی اشیا کی فراوانی کے ساتھ اس طرح پر کیف منظر میں میلہ لگا رہتا ہے جیسے کہ کولکاتا، لکھنؤ اور دہلی کا مینا بازار ہو۔

اعراس کے پوسٹروں میں ایک جملہ بڑے سنہرے اور نمایاں حروف میں لکھا ہوتا ہے **"مزار پر عورتوں کی حاضر منع ہے لہٰذا زائرینِ عرس سے گزارش ہے کہ اپنے ساتھ عورتوں کو ہرگز نہ لائیں"**۔ اسی جملے نے مجھے یہ مضمون لکھنے پر برانگیختہ کیا ہے۔

پہلے مزاروں پر عورتوں کی حاضری کے متعلق مجددِ اعظم، امام اہل سنت امام احمد رضا خان قادری نور اللہ مرقدہ کا موقف جان لیں۔ پھر اعراس کی مقدس محفل میں ہونے والے خرافات اور اس کی ذمے داری کس کس پر عائد ہوتی ہے اس کا تجزیہ پیش کروں گا۔ ساتھ ہی چند تدبیریں رقم کروں گا جسے ذمے دارانِ اعراس اپنا کر اس بیہودگی سے امت کو بچا سکیں گے۔

اعلیٰ حضرت امام عشق ومحبت قدس سرہ سے گجرات کے مولانا حکیم عبد الرحیم صاحب نے عورتوں کے لیے زیارتِ قبور کی اجازت کے متعلق فتویٰ پوچھا جبکہ انھوں نے بحر الرائق کا حوالہ دیتے ہوئے یہ لکھا کہ اس میں اجازت دی گئی ہے۔ تو آپ نے سیدھے سادھے الفاظ میں چند سطروں کے ذریعہ یہ جواب مرحمت فرمایا کہ "میری راے اس مسئلہ میں خلاف پر ہے، مدت ہوئی اس بارے میں میرا فتویٰ تحفۂ حنفیہ (پٹنہ) میں چھپ چکا، میں اس رخصت کو جو بحر الرائق میں لکھی ہے مان کر نظر بحالاتِ نسا (عورتیں) سواے حاضریِ روضۂ انور کہ واجب یا قریب الواجب ہے، مزاراتِ اولیا یا دیگر قبور کی زیارت کو عورتوں کا جانا باتباعِ غنیۃ علامہ محقق ابراہیم حلبی ہرگز پسند نہیں کرتا، خصوصاً اس طوفانِ بے تمیزی رقص ومزامیر وسرور میں جو آج کل جُہال نے اعراسِ طیبہ میں برپا کر رکھا ہے، اس کی شرکت تو میں عوام رجال کو بھی پسند نہیں رکھتا نہ کہ وہ جن کو انجشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حُدی خوانی بالحان خوش پر عورتوں کے سامنے ممانعت فرما کر انھیں نازک شیشیاں فرمایا" یوں تو یہ سطریں ہی کافی تھیں کہ امام اہل سنت نے جن امور کی نشاندہی چند الفاظ میں فرما دیا وہ یقیناً قابل گرفت تھے جیسا کہ آپ نے صاف لکھا کہ روضۂ رسول اکرم ﷺ کے علاوہ کسی بھی جگہ عورتوں کے جانے کی اجازت نہیں دی جاے گی۔

جبکہ حالات اب زیادہ خراب ہو گئے ہیں اور جس طرح طوفانِ بدتمیزی اور رقص و سرور کا ماحول ہے ایسے میں تو میں عوامِ رجال کے جانے کو بھی پسند نہیں کرتا چہ جائے کہ عورت، ذرہ سوچیں کہ اعلیٰ حضرت نے نہ صرف عورت بلکہ ایسی جگہوں پر مردوں کو بھی جانے سے منع کیا ہے۔ تو اس وقت جس قدر طوفانِ بدتمیزی، رقص و سرور اور اختلاطِ مرد و زن ہوتا ہے بھلا اس کی ممانعت کیسے نہ ہوگی۔

اس قدر مختصر اور جامع جواب کے بعد مولانا حکیم عبدالرحیم گجراتی علیہ الرحمہ نے دوبارہ ایک طویل سوال نامہ بنا کر رجسٹری کیا جس میں کئی قرآنی آیات، احادیث اور اقوالِ علما و فقہا سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی زیارتِ قبور اور اعراسِ اولیا وغیرہ کے لیے پاکدامن عورتیں حاضر ہو سکتی ہیں۔ یہ ممانعت رنڈی اور بے حیا عورتوں کے لیے ہے۔ جس کے جواب میں آپ نے تقریباً ۱۵؍ صفحات پر مشتمل ایک جواب نامہ تیار کیا اور ان کے ہی پیش کردہ دلائل سے یہ ثابت کیا کہ عورتوں کو بالعموم جانے کی اجازت نہ ہوگی۔ میں ان میں سے صرف ایک دلیل یہاں پیش کرتا ہوں تا کہ مسئلہ خوب واضح اور روشن ہو جائے۔ جس کو باقی دلیلیں درکار ہوں وہ امامِ اہل سنت کا رسالہ ''**جمل النور فی نهی نساء عن زیارة القبور**'' کا مطالعہ کریں۔

مولانا کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: اسی عینی جلدِ سوم میں آپ کی عبارتِ منقولہ سے ایک صفحہ پہلے ہے۔ ''حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں عورت سراپا شرم کی چیز ہے، سب سے زیادہ اللہ عزہ وجل کے قریب اپنے گھر کی تہ میں ہوتی ہے اور جب باہر نکلے شیطان اس نگاہ ڈالتا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما جمعہ کے دن کھڑے ہو کر کنکریاں مار کر عورتوں کو مسجد سے نکالتے۔ اور امام ابراہیم نخعی تابعی استاذ الاساتذہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ اپنی مستورات کو جمعہ و جماعات میں نہ جانے دیتے''۔

جب اُن خیر کے زمانوں، اُن عظیم فیوض و برکات کے وقتوں میں عورتیں منع کر دی گئیں، اور کاہے سے، حضورِ مساجد و شرکتِ جماعات سے حالاں کہ دینِ متین میں ان دونوں کی شدید تاکید ہے، تو کیا اِن ازمنۂ شرور میں اُن قلیل یا موہوم فیوض کے حیلے سے عورتوں کو اجازت دی جائے گی۔ وہ بھی کاہے کی، زیارتِ قبور کو جانے کی، جو شرعاً مؤکد نہیں۔ اور خصوصاً میلوں ٹھیلوں میں خدا نا ترسوں نے مزاراتِ کرام پر نکال رکھے ہیں۔ یہ کس قدر شریعتِ مطہرہ سے منافقت ہے۔ شرع مطہرہ کا قاعدہ ہے کہ جب مصلحت پر سلبِ مفسدہ کو مقدم رکھتی ہے۔ ''**وراءُ المفاسدِ اَهَمُّ مِنْ جلبِ المصالح**'' (خرابیوں کے اسباب دور کرنا خوبیوں کے اسباب حاصل کرنے سے زیادہ اہم ہے۔ ت) جبکہ مفسدہ بہت کم تھا۔ اسی مصلحت عظیمہ سے ائمہ دین، امام اعظم و صاحبین و من بعد ہم نے روک دیا۔''

اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت علیہ الرحمہ کے اس اقتباس کو بار بار پڑھیے اور غور کیجیے کہ آج جس قدر عرس کے نام پر خرافات کی جارہی ہیں اس کا ذمے دار کون ہے۔ ان دونوں سوال کا جواب اعلیٰ حضرت کے اس اقتباس میں موجود ہے۔ آج ہمارے معاشرہ کا حال یہ ہے کہ جس علاقہ و قریہ میں عرس کی تقریب منائی جاتی ہے۔ اس علاقے کے تقریباً ۸۰؍ فیصد گھروں سے عورتیں وہاں موجود ہوتی ہیں وہ بھی اکثر نوجوان اور کنواری ہوتی ہیں۔ ان کی شرارت یہ کہ مردوں کے شانہ بہ شانہ چلتی ہیں، گو کہ اگر مرد شرم سے ان سے الگ ہونا چاہے تب بھی وہ اس کو ٹھوکر مار ہی دیتی ہیں، مردوں کی مجلس میں جا کر پوری بے حیائی اور ہٹ دھرمی کے ساتھ بیٹھتی ہیں اور نیند آنے پر وہیں چت سو جاتی ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ایک جگہ تو یہ بھی دیکھنے کو ملا کہ اسٹیج کے سامنے اپنے بچوں کی دستار بندی کا جشن منانے کے لیے پھول کا مالا لے کر پہنچ گئیں۔ یہ تو ہوئے ان کے وہ کرتوت جو مدرسہ اور مزار کے گراؤنڈ میں نظر آئے۔ اب پتہ نہیں باہر میلا میں کیسے کیسے گل کھلاتی ہیں کہ میں میلا کی طرف کبھی گیا ہی نہیں۔

اب ذرہ ذمے داران اور فارغ ہونے والے علما وحفاظ کی داستانِ بے بسی سنیے۔ ذمے داروں کی آنکھوں کے سامنے یہ سب کچھ ہوتا ہے لیکن کوئی ایک لفظ بولنے کو تیار نہیں ہے۔ مین گیٹ پر رضا کاروں کے قافلے کے باوجود عورتیں جلسہ گاہ میں مردوں کی مجلس میں جارہی ہے کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ ایک عرس کی تقریب میں اسٹیج سے ایک مولانا کو ایسے گرجتے ہوئے دیکھا کہ مجھے لگا کہ ان کی بات کا وزن ہوگا اور ابھی فوراً ساری عورتیں مدرسہ کے گراؤنڈ کو خالی کردیں گی (مجھے ایسا اس لیے لگا کہ وہ مولانا اسٹیج پر پہنچتے ہی اسٹیج پر موجود علما کو پیچھے ہٹنے اور حد میں رہنے کا درس دینے لگے تھے اور سب کو ڈانٹ پھٹکار کر پیچھے کر رہے تھے۔ (لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ مولانا کی بات کا اثر تو کیا ذمے دار کا نام لے کر بولنے کے بعد بھی کسی نے حرکت تک نہیں کی اور عورتیں اپنی مستی میں نیند کا آنند لیتیں ہی رہیں۔

مجھے باوثوق ذرائع سے یہ خبر ملی ہے کہ عرسوں کے ذمے داروں سے عورتوں کو دور رکھنے اور اس کے لیے کوئی مضبوط لائحہ عمل تیار کرنے کو کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں **"عورتیں نہیں آئیں گی تو میلا نہیں لگے گا اور میلا نہیں لگے گا تو پیسہ کہاں سے آئے گا"** غالباً آپ کو اس موقع پر اعلیٰ حضرت کا وہ جملہ یاد آہی گیا ہوگا مجھے تو آیا کہ "خصوصاً میلوں ٹھیلوں میں جو خدا نا ترسوں نے مزاراتِ کرام پر نکال رکھے ہیں"

اعلیٰ حضرت کے اس جملہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے زمانے میں بھی اسی طرح کے خدا نا ترس اور شریعت سے منافقت کرنے والے لوگ موجود تھے جو اولیاے کرام کی مزارات کی بے حرمتی کرتے تھے۔

اب تھوڑا فارغ ہونے والے علما وحفاظ کی داستان بھی پڑھ لیجیے: تقریباً جتنے علما یا حفاظ اعراس یا جلسوں میں فارغ ہوتے ہیں۔ سبھوں کے گھروں سے ان کی مائیں، جوان بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں اور بھابھیاں وغیرہ آتی ہیں، کیوں آتی ہیں تو بچے کی دستار ہے خوشی میں آئی ہیں جبکہ ہر ایک کو دستار کے بعد گھر جاتے ہوئے دیکھا جاتا ہے۔ ذرہ سوچیں کہ مدرسہ سے فتنہ اور شرارت ختم کرنے کی تعلیم ہی تو دی جاتی ہے، اللہ ورسول کے فرامین پر عمل کا ہی تو درس دیا جاتا ہے، برائی کے روکنے کا ہی تو پاٹھ پڑھایا جاتا ہے اور یہ سب مکمل ہونے کے بعد ہی تو دستار باندھی جاتی ہے لیکن دستار والے ہی اس طرح طوفانِ بدتمیزی مچائیں گے، اپنے گھر کی عورتوں کو نہیں روکیں گے، تو دوسروں سے کیا امید کی جاے۔ چلیے حفاظ کم علم تھے یہ علما کی جماعت ایک طرف فضیلت کی دستار بندھوا رہی ہوتی ہے اور دوسری طرف برائی کو فروغ دے رہی ہوتی ہے۔ آخر کیسی تعلیم دی گئی اور کیسی تربیت دی گئی ہے۔ ذمے دار و معلمین سے سوال تو ہوگا۔

اب چند تدابیر ملاحظہ کریں!

☆ سب سے پہلے آپ حضرات جس طرح پوسٹر میں یہ اعلان "مزار پر عورتوں کی حاضری منع ہے لہٰذا زائرینِ عرس اپنے ساتھ عورتوں کو ہرگز نہ لائیں" کرتے ہیں اسی کے ساتھ یہ بھی ایک اعلان کریں کہ عرسِ مقدس کی تقریب خالص اسلامی اور روحانی ہوگی۔ اس لیے عرس میں میلا ٹھیلا اور عورتوں کے بناؤ سنگار دکان لگانے کی ہرگز اجازت نہ ہوگی۔ خصوصاً عورتوں کے سامان کی دکانوں پر بالکل پابندی عائد رہے گی۔ لہٰذا اس طرح کے دکان دار ہرگز نہ آئیں!"

☆ صاحبِ عرس اپنی پوری زندگی عورتوں سے دور رہا کرتے تھے لہٰذا عورتیں اپنے اپنے گھروں میں ہی قرآن کی تلاوت کریں، درود شریف کا ورد کریں اور صاحبِ عرس کے نام پر فاتحہ دلائیں۔ ان شاء اللہ روحانی وعرفانی فیضان سے مالا مال ہوں گی۔ یہ بھی اپنے پوسٹر میں ضرور لکھوائیں۔

☆ عرس کی تقریب میں جن لوگوں کو رضا کار منتخب کریں وہ پابند شرع اور دین دار ہوں۔ تاکہ اس طرح کے خرافاتوں پر فوراً ایکشن لے سکیں۔ رضا کاروں کو کلی اختیار دیا جاے کہ کوئی عورت کہیں دکھے تو فوراً باہر کردیں۔

☆ عرس کی تقریب سے پہلے والے میں جمعہ میں جس طرح ائمہ کو دعوت نامہ بھیج کر عرس کا اعلان کرنے کو کہا جاتا ہے یوں ہی ان سے یہ بھی گزارش کی جائے کہ آپ اپنی مسجد میں یہ اعلان کر دیں کہ عرس کی محفل میں عورتوں کو ہرگز نہ لے کر جائیں اور نہ اپنے گھروں سے جانے دیں کہ مزار پر عورتوں کی حاضری ممنوع ہے اور ہو سکے تو اسی عنوان **"مزارات پر عورتوں کا جانا جائز نہیں"** کو موضوع خطاب بنالیں!۔

☆ اسٹیج سے کم از کل دو ذمے دار عالم کی کسی خاص موضوع پر سیر حاصل تقریر کروائیں اس کے لیے اگر پہلے سے عنوان دینا پڑے تو دے دیں۔ساتھ ہی عورتوں کی پاکدامنی کس چیز میں ہے اس عنوان پر بھی خطاب کروائیں!

اللہ کریم دین متین کا حافظ و محافظ ہے ہم آپ اپنی اپنی کوشش کریں وہ ہماری مدد ضرور کرے گا۔ مالک ارض و سماوات سے التجا ہے کہ ہماری کوتاہیوں کو معاف کرے اور ان خرافاتوں سے امت کو نکالنے کی توفیق رفیق عطا کرے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

از:

محمد فیضان رضا علیمی، رضا باغ گنگٹی

استاذ: مدرسہ قادریہ سلیمیہ چاند پورہ، چھپرہ

مدیر اعلیٰ: سہ ماہی پیامِ بصیرت، سیتامڑھی۔

۹/ربیع النور شریف ۱۴۴۴ھ

۵/اکتوبر ۲۰۲۲ء

مراسلات

تاثرات بر سہ ماہی پیامِ بصیرت

از: علماے کرام دام ظلہم

☆☆☆

سہ ماہی پیامِ بصیرت دیکھ کر دلی مسرت ہوئی

از: مولانا عبدالہادی خان حبیبی کماوی، بنارس، یوپی

☆☆☆

آج بتاریخ ۱۹؍ذی الحجہ ۱۴۴۳ھ مطابق ۱۹؍جولائی ۲۰۲۲ء مدرسہ حبیبیہ فیضان مفتی اعظم متعلقہ امام احمد رضا جامع مسجد خلافت باغ سیتامڑھی کے واٹس ایپ گروپ کے ذریعہ "سہ ماھی مجلہ پیامِ بصیرت سیتامڑھی" اور اس کے عنوانات باصرہ نواز ہوئے۔ مسرت و شادمانی حاصل ہوئی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ تمام ارکان وممبران، مشیران ومہربان، معاونین ومخلصین کے علم وعمل، مال واسباب، بصیرت وبصارت میں خوب خوب برکت اور اخلاصِ عمل کی لذت و شربت عطا فرمائے۔ اور ادارہ ورسالہ کو اپنے مقاصد کی تکمیل تشہیر میں مزید سہولت وسعت عطا فرماتا رہے۔ کسی رسالے کا جاری کرنا یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے، اسے جاری وساری رکھنا یہ بہت دشوار و جان گداز کام ہے۔ اگر عزمِ صمیم اور جذبۂ صمیم ہے تو حجرِ طریق کو راہِ قصید سے ہٹانا بہت آسان ہے۔

مشکلے نیست کہ آسان نشود
مرد باید کہ ہراسان نشود
ہمت بلند دار کہ نزد خدا و خلق
قدر تو بقدر ہمت تست

ہاں گزارش یہ ہے کہ مجھ حقیر کا نام احبابِ مجلسِ مشاورت میں لکھا گیا ہے۔ اور نام سے پہلے مفتی لکھا ہوا ہے۔ یہ افسوس کی بات ہے ہرگز ہرگز میرے نام کے ساتھ مفتی نہ لکھا جائے مجھ جیسوں کو مفتی لکھ کر اس عظیم عہدے اور منصب کی توہین نہ کی جائے۔ ورنہ مفتی لکھنا نہند کا نام زنگی کافور اور کلوٹے کا نام چاند بابو رکھنے کا مصداق ہوگا۔ ہم لوگ ناقل فتویٰ ہیں چند کتابوں سے دیکھ کر فتوی نقل کر دیتے ہیں مفتی نہیں ہیں مفتی کی تعریف ہم لوگوں میں نہیں پائی جاتی ہے۔ یہ وقت کا بہت بڑا المیہ ہے کہ ہر کس و ناکس اور ہر کہ ومہ کو مفتی کہا اور لکھا جانے لگا ہے۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اھل نظر گئی۔

رسالہ کے دوسرے صفحہ پر لکھا ہوا ہے۔ مضمون نگار کی رائے سے ادارہ جماعت رضائے مصطفیٰ سیتامڑھی کا اتفاق ضروری نہیں ہے، ادارہ مسلکِ اعلیٰ حضرت پر کار بند ہے۔ آپ اپنے رسالہ میں ایسا مضمون ہی کیوں چھاپیں گے جو ادارہ اور مسلکِ اعلیٰ حضرت سے اتفاق نہ رکھتا ہو۔ کہ بعد میں پھر آپ اس کی تردید کریں۔ جیسا کہ ماہ نامہ اشرفیہ میں مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف مضمون چھپا اور ہر طرف سے اس کی فضیحت ہوئی، میں نے بھی اس کی تردید ومخالفت کی، تو حضرت مفتی شریف الحق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اشرفیہ میں چھپے مضمون کی تردید کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔ اشرفیہ کا مسلک مسلکِ اعلیٰ حضرت ہی ہے۔ مسلکِ اعلیٰ حضرت اشرفیہ کی خمیر میں داخل اور ریڑھ کی ہڈی ہے۔

پھر کیا ضروری ہے کہ تردیدی مضمون والا رسالہ ہر شخص تک پہونچ ہی جائے۔ تب تک کتنا انقلاب آچکا ہوگا۔ اس لیے کسی بھی مضمون پہلے ناپ تول لیں پھر شائع کریں۔

مجھے بہت خوشی ہوئی آپ حضرات کام کریں میں حتی المقدوران شاءاللہ شانہ بشانہ رہوں گا۔اللہ پاک رسالہ کوخوب ترقی دے اور آپ حضرات کواس کا بہترین صلہ عطا کرے۔آمین

از:عبـدالرضا عبدالہادی خان حبیبی،
استادمدرسہ فاروقیہ بنارس یوپی

''سہ ماہی پیامِ بصیرت'' بصارت اور بصیرت دونوں کوعشق مصطفیٰ سے سرشار کرنے والا رسالہ

از: علامہ مفتی راحت احسان برکاتی،
[شیخ الحدیث وصدر المدرسین: جامعہ ضیائیہ فیض الرضاددری سیتامڑھی بہار]

☆☆☆

قلمی خدمت کا گہرااور دیر پااثر ہوتا ہے، بلکہ بسااوقات طویل مدت تک لوگوں کے لیے رہنمار ہتاہے۔آج عالمِ اسلام میں امامِ غزالی،امامِ رازی، امامِ سیوطی، امامِ ربانی،مخدوم بہار شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری، امامِ اہلِ سنت سرکار اعلیٰ حضرت جیسی شخصیات اپنی قلمی خدمات کی وجہ سے زندہ وجاوید ہیں اور آج بھی مینارۂ ہدایت ہیں۔ اسی مؤثر سلسلے کی ایک کڑی سہ ماہی پیامِ بصیرت ہے۔جس نے اس سے پہلے پانچ بار اپنے معلوماتی،فکری اور عشقی پیغامات کے ذریعہ اہلِ محبت اور اربابِ فکر و دانش کے دلوں کوروح پرور تازگی بخشی ہے۔خصوصاً سہ ماہی پیام بصیرت کا ''جہانِ حضورفقیہ اسلام نمبر''(جوحضورفقیہ اسلام خلیفۂ مفتی اعظم ہند مبلغِ اسلام حضرت علامہ الشاہ مفتی عبدالحلیم رضوی اشرفی رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ ضیائیہ فیض الرضا ددری سیتامڑھی کی حیات و خدمات،احوال اور کارنامے کا حسین گلدستہ اور اولین ماخذ ہے) عمدہ پیرائے میں نکلنا یہ وہ اہم کام ہے جس کے لیے تمام اہل سنت مشکور ہیں۔ اب پھر اپنی دینی معلومات، دعوتی فرمودات، فکری نظریات اور قابلِ قبول ہدایات کا خزانہ لے کر باصرہ نواز ہونے والا ہے۔امید کہ پہلے کی طرح ہوش منداور دانش مند افراد اپنے اور دوسروں کے لیے فائدہ مند محسوس کریں گے۔اور عوام الناس اسے مشعل راہ پائیں گے۔اس پرفتن دور میں ایسے رسالے کی سخت ضرورت ہے جس کا پیام بصیرت کے ارکان نے احساس کیا اور وقت کی اہم ضرورت پوری کی۔اس رسالے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا قاری ظاہری اور باطنی دونوں اعتبار سے اپنے اندر عشق رسول کی چنگاری محسوس کرتا ہے اور اتباعِ سنت وفروغِ مسلکِ اعلیٰ حضرت کا جذبہ بیدار کرتا ہے۔گویا اپنی بصارت و بصیرت دونوں کوعشقِ مصطفیٰ کے سمندر میں غوطہ زن پاتا ہے۔اس اہم کام کے انجام دینے پر میں سہ ماہی پیام بصیرت کے تمام ارکان کومبارک بادی پیش کرتا ہوں۔بالخصوص اس رسالہ کے مدیر اعلیٰ حضرت مولانا محمد فیضان رضا صاحب علیمی ،نائب مدیر حضرت مولانا محمد عامر حسین صاحب مصباحی، مدیر معاون حضرت مولانا شفاءالمصطفیٰ صاحب مصباحی کو تہِ دل سے ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔جن کی محنت شاقہ اور جہد مسلسل کی برکت سے یہ رسالہ وقت پر معرضِ وجود میں آتا ہے۔اور ''**العلم نور**''کی ضیا بکھیرتا ہے۔

رب قدیر ان حساس علماے کرام کوان کی خدمات کا بہتر سے بہتر صلہ عطا فرمائے اور عمر خضر کا حصہ عطا فرمائے اور مزید دینی خدمات کا حامل بنائے۔آمین

فقط والسلام
یکےاز فائدہ حاصل کنندگان:
محمد راحت احسان برکاتی
خادم الطلبہ: جامعہ ضیائیہ فیض الرضا ددری،ضلع سیتامڑھی بہار

☆☆☆

پیامِ بصیرت علم وفن کے مشہور ضلع کا علمی سرمایہ ہے

از:مفتی محمد احمد مصباحی بھاگلپوری،گوا

☆☆☆

میرے دارالعلوم اہل سنت اشرفیہ مخدوم اشرف نگر ویرنا گوا کے

استاد مولانا ارشد رضا امجدی کے توسط سے اطلاع ملی کہ بابو مولانا فیضان رضا علیمی کی محنت اوران کی ایک مضبوط ٹیم کی ادارت میں علم وفن کا مشہور ضلع سیتامڑھی سے "سہ ماہی پیام بصیرت" نام سے ایک سہ ماہی مجلہ شائع ہورہا ہے خبر سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ نوجوان علما بہت حد تک تحریر وتقریر اور تدریس کے شعبے میں اسلاف کی نیابت پر برقرار ہیں اوران کے کارہائے نمایاں کو آگے بڑھانے کی کوشش کررہے ہیں یہ ضلع ایک زمانہ سے چمنستان رضا کا ایک مخزن رہا ہے اور ان شاءاللہ رہے گا۔ کسی بھی رسالہ یا مجلہ کی اشاعت کی اولین ترجیحات یہ ہونی چاہئے کہ آپ ہر مواقع و معاملات کو حل کر کے قوم کے سامنے پیش کریں مزید کوشش کریں کہ رسالہ کو عوامی سطح پر مقبولیت اور شہرت حاصل ہوتا کہ افادہ عام ہوسکے، آئے دن خانقاہ اور علما کے درمیان کا فاصلہ بڑھتا جارہا ہے کوشش کریں کہ اپنی تحریر وتقریر اور تنظیم سے اس فاصلہ کو ختم کیا جاسکے یا کم سے کم کیا جاسکے، علاقائی سطح پر عورتوں میں بھی تحریری پیش رفت لائیں اس میدان میں ہم لوگ اب بھی پیچھے ہیں۔ کیونکہ اچھے مواد اور موجودہ سلگتے مسائل کے لیے اپنی بنت حوا کو ہر اعتبار سے مضبوط ہونا پڑے گا، اپنی تحریر کے ذریعہ کبھی ہم فروعی اختلاف مسائل پر نئی نسل اور نو فارغ علما کے درمیان مناقشت پیدا نہ کریں۔ اپنے ہر معاملہ میں ہم مثبت طرز فکر اختیار کریں۔ تبلیغی نہج یہی ہے فرمودات اعلیٰ حضرت کبھی فراموش نہ کریں کیوں کہ اس پر فتن ماحول میں راہ نجات واقعی مسلک رضا ہے ساتھ ہی ساتھ تمامی خانقاہوں کی عزت وتکریم کا پاس ولحاظ رکھیں کبھی کسی خانقاہ یا صاحب خانقاہ کو نشانہ نہ بنائیں ان سب ترجیحات سے واقعی ہمارا داعیانہ فریضہ بھی مکمل ہوگا۔

عدیم الفرصتی کے سبب رسالہ کے مشمولات بنظر غائر مطالعہ کرنے کا موقع نہیں مل پایا وقت ملتے ہی بالضرور مشمولات کا مطالعہ کر کے ایک اچھی تحریر ادارت کے حوالہ کرونگا میری دعا ہے کہ بابو مولانا فیضان رضا علیمی اوران کی ٹیم کو اللہ تعالی اسلاف کی روش پر قائم ودائم رکھے اور بالخصوص مسلک اعلیٰ حضرت کے نقوش کو تر وتازہ رکھنے کی صلاحیت وقابلیت عطا فرمائے۔

فقط والسلام نبیرۂ محدث بھاگلپوری محمد احمد مصباحی پرنسپل دارالعلوم اہل سنت اشرفیہ واشرف البنات ویرنا گوا

☆☆☆

اسلامیات:

حضور علیہ السلام کی عائلی زندگی

از: محمد عامر حسین مصباحی، رسول گنج عرف کوئلی
مدیر: سہ ماہی پیامِ بصیرت، سیتامڑھی

☆☆☆

شہنشاہِ دو عالم، مالکِ حل وحرم، تاج دارِ انبیا، حضور نبیِ اکرم ﷺ معلمِ کائنات اور سراپا خُلقِ عظیم کے پیکر بن کر تشریف لائے، آپ کی تعلیم اور خُلقِ عظیم سے جہان والوں کو حیاتِ دنیوی کے اصول وضوابط فراہم ہوئے اور دنیا انہیں ضیا پاشیوں سے صدقہ لے کر انسانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئی۔

حضور سرورِ کونین ﷺ کی خلوت ہو یا جلوت ہر ایک میں امت کی بہترین تعلیم ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاں دینی اعتبار سے صحابۂ کرام کی تعلیم وتربیت فرمائی وہیں سیاسی، سماجی، معاشرتی، اخلاقی، عصری بلکہ ہر اعتبار سے انھیں آراستہ وپیراستہ فرمایا یہاں تک کہ عائلی زندگی میں پیش آنے والے معاملات ومسائل کو بھی بہترین انداز میں امت کے سامنے پیش فرمایا چنان چہ ماں باپ، بھائی بہنوں، بیویوں، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور حُسنِ معاشرت کا جو سبق اسلام میں ملتا ہے وہ کہیں اور نہیں ملتا۔

کسی بھی انسان کے اخلاق وکردار کی اصل آزمائش کی جگہ خود اس کا اپنا گھر ہوتا ہے کیوں کہ باہر والوں سے گھر والوں کی بہ نسبت کم سابقہ پڑتا ہے اور تھوڑی دیر بہتر اخلاق کا مظاہرہ کر لینا آسان بھی ہوتا ہے مگر گھر کے افراد ہمہ وقت ایک انسان کے اخلاق وکردار کا جائزہ لیتے رہتے ہیں اس لیے اپنی اصل حقیقت اپنے گھر والوں سے چھپانا بالکل بھی آسان نہیں ہوتا اس اعتبار سے بھی مختارِ کائنات ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کو پڑھیں تو آپ کے ذہن وفکر میں ایک نہایت ہی کامل انسان اور گھریلو زندگی میں بیویوں کے لیے ایک محبت کرنے والے شوہر، اولاد کے حق میں ایک مشفق ومہربان باپ،، رشتہ داروں کے حق میں ایک رشتہ شناس رشتہ دار، پڑوسیوں کے حق میں سب سے اچھے پڑوسی کی تصویر اُبھر کر سامنے آئے گی۔ اب ہم اس اجمال کی قدرے تفصیل کرتے ہیں۔

بیویوں کے لیے ایک بہترین شوہر

آقائے دو عالم ﷺ کی پہلی شادی ۲۵ رسال کی عمر میں عفت مآب خاتون ام المؤمنین حضرت سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔ بحیثیتِ شوہر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے جملہ حقوق بحسن وخوبی نبھائے اور باوجود عمر کے تفاوت کے ۲۵ رسالہ زندگی ایک دوسرے کے ساتھ الفت ومحبت کے ساتھ گزاری اور تا زندگی حضور علیہ السلام نے ان کی محبت ختم نہ کی۔ چنان چہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ازواجِ مطہرات میں سب سے زیادہ مجھے حضرت خدیجہ کے بارے میں غیرت آیا کرتی تھی حالانکہ میں نے اُن کو دیکھا بھی نہیں تھا۔ غیرت کی وجہ یہ تھی کہ حضور علیہ السلام بہت زیادہ ان کا ذکرِ خیر فرماتے رہتے تھے اور اکثر ایسا ہوا کرتا تھا کہ آپ جب کوئی بکری ذبح فرماتے

تھے تو کچھ گوشت حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کے گھروں میں ضرور بھیج دیا کرتے تھے اس سے میں چڑھ جایا کرتی تھی اور کبھی کبھی یہ کہہ دیا کرتی تھی کہ ''دنیا میں بس ایک خدیجہ ہی تو آپ کی بیوی تھیں'' میرا یہ جملہ سُن کر آپ فرمایا کرتے تھے ہاں ہاں بے شک وہ تھیں وہ تھیں انہیں کے شکم سے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد عطا فرمائی۔

(سیرتِ مصطفیٰ ص: ۶۵۴ بحوالہ بخاری شریف جلد دوم)

آپسی تال میل اور حُسنِ سلوک کا ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمائیں جو زرقانی کے حوالے سے سیرتِ مصطفیٰ میں علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے۔

''ایک مرتبہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانِ مبارک سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہت زیادہ تعریف سنی تو انہیں غیرت آ گئی اور انھوں نے یہ کہہ دیا کہ اب تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُن سے بہتر بیوی عطا فرمادی ہے۔ یہ سُن کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ نہیں خدا کی قسم! خدیجہ سے بہتر مجھے کوئی بیوی نہیں ملی جب سب لوگوں نے میرے ساتھ کفر کیا اس وقت وہ مجھ پر ایمان لائیں اور جب سب لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے اس وقت انھوں نے میری تصدیق کی اور جس وقت کوئی شخص مجھے کوئی چیز دینے کے لیے تیار نہ تھا خدیجہ نے مجھے اپنا سارا مال دے دیا اور انہیں کے شکم سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد عطا فرمائی۔

(سیرتِ مصطفیٰ ص: ۶۵۳ بحوالہ زرقانی)

ایک ویسے وقت میں جب کہ عورتوں کا کوئی وقار نہیں تھا زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کو صرف اپنی تسکین اور خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ سمجھا جایا کرتا تھا۔ حضور علیہ السلام نے مثالی شوہر بن کر دنیا کو بیویوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کا درس دیا اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے بھی ایک خدمت گزار بیوی ہونے کا حق ادا کر دیا۔ اعلانِ نبوت کے بعد آقا علیہ السلام کے جہاں غیر تو غیر اپنے بھی سخت جانی دشمن بن گئے اور ایذا رسانی کے ساتھ قتل کی بھی سازشیں کرنے لگے ایسے وقت میں ایک مونس و غمخوار بیوی بن کر پہاڑ کی طرح مضبوطی کے ساتھ حضور علیہ السلام کی دل جوئی میں لگی رہیں اور کٹھن گھڑی کو آسان بنانے میں معاون ثابت ہوئیں۔ شوہر کے ساتھ وہی بیوی اس طرح کا حسنِ سلوک کرتی ہے جو اپنے شوہر سے بے پناہ محبت کرتی ہو اور اس کا شوہر اس کے تمام حقوق کی رعایت کے ساتھ اس سے بے انتہا پیار کرتا ہو۔

یقیناً آج بھی ایک پاکیزہ ماحول اور خوشگوار زندگی گزارنے کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی پچیس سالہ رفاقت مشعلِ راہ ہے۔

ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کے پیشِ نظر سرکار علیہ السلام نے متعدد نکاح فرمایا اور تمام ازواج کے ساتھ قولی اور عملی اعتبار سے حُسنِ سلوک اور حسنِ معاشرت کی بہترین مثال قائم فرمائی اور عدل وانصاف کے پیکرِ اتم نے واجب نہ ہونے کے باوجود بیویوں کے مابین شب گزاری کے لیے باری مقرر فرمائی، سفر اور جہاد میں ساتھ لے جانے کے لیے قرعہ اندازی فرمائی تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو، گھر میں درشت مزاجی اور ترش روئی کی جگہ خوش مزاجی اور نرم مزاجی کو ترجیح دی تاکہ گھر کا ماحول پراگندہ نہ ہو۔

کیمیائے سعادت میں حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''کوئی شخص اپنی عورت سے اتنی خوش طبعی نہ کرتا جتنی رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کرتے تھے حتیٰ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑے کہ دیکھیں کون آگے نکل جاتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے نکل گئے، دوبارہ دوڑنے کا اتفاق ہوا، حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا آگے نکل گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ پہلے کا بدلہ ہو گیا یعنی اب ہم تم برابر ہو گئے''۔

اسی طرح حبشیوں کی آواز سنی کہ کھیلتے اور کودتے ہیں۔ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم چاہتی ہو کہ دیکھو؟

وہ بولیں ہاں ! آپ نزدیک تشریف لائے اور ہاتھ پھیلایا: حضرت صدیقہ آپ کے بازو پر ٹھوڑی رکھ کر دیر تک دیکھتی رہیں۔آپ نے فرمایا: عائشہ ابھی بس نہ کروگی؟ جب وہ چُپ رہیں۔تین بار آپ نے فرمایا تب انھوں نے بس کیا۔

(برکاتِ شریعت ص: ۴۴۲ بحوالہ کیمیاے سعادت ص: ۲۶۳)

ازواجِ مطہرات کے خیال اور ان کی بنیادی ضرورتوں کو پوری کرنے کے علاوہ حضور علیہ السلام گھریلو کاموں کو بھی انجام دیا کرتے تھے جن میں اپنے کپڑے خود صاف کرلینا، جھاڑ لینا، اپنے کپڑے میں پیوند لگالینا، گھر کی صفائی کرلینا، بکریوں کا دودھ نکال لینا اس طرح کے بہت سے کام کرلیتے اور ازواجِ مطہرات کے کاموں میں بھی اُن کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔

حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی درشت کلمہ اپنی زبان پر نہ لائے نیز فرماتی ہیں کہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ نرم خوٗ تھے اور سب سے کریم، عام آدمیوں کی طرح بلا تکلف گھر میں رہنے والے، آپ نے منہ پر کبھی تیوری نہیں چڑھائی ہمیشہ مسکراتے ہی رہتے تھے۔ حضرت عائشہ کا یہ بھی بیان ہے کہ اپنی ساری زندگی میں حضور علیہ السلام نے اپنے کسی خادم یا بیوی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔

بیٹوں اور بیٹیوں کے اچھے باپ

حضور علیہ السلام اپنی تمام اولاد سے بے انتہا محبت کرتے تھے اور اُن کی تمام تر ضروریات کا مکمل خیال رکھتے، اُن کی دل جوئی کرتے رہتے۔حضور کے خادمِ خاص حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ: **"مارایت احدا کا ن ارحم بالعیال من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"**

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی شخص کو آپ سے زیادہ اپنے بچوں پر رحم کرنے اور شفقت کرنے والا نہیں دیکھا۔

/مدارج النبوت جلد دوم ص: ۵۲۶

سیرت نگاروں نے بہت سے واقعات نقل کیے ہیں جس میں حضور علیہ السلام کا اپنی اولاد سے والہانہ محبت کا پتہ ملتا ہے۔

حضور علیہ السلام کی مبارک اولاد میں تین بیٹے حضرت قاسم حضرت عبداللہ اور حضرتِ ابراہیم رضی اللہ عنھم ہیں، ان تینوں کا وصال بچپن میں ہی ہوگیا تھا۔حضرت ابراہیم جو آپ کی باندی حضرتِ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے شکمِ مبارک سے تھے اُن سے سرکار علیہ السلام کو بے انتہا محبت تھی اور بار بار اُن کو دیکھنے مقامِ عالیہ" میں اُن کی والدہ کے پاس تشریف لے جاتے آخری مرتبہ جب سرکار تشریف لے گئے تو حضرتِ ابراہیم رضی اللہ عنہ کا وہ آخری وقت تھا، یہ منظر ایک مشفق باپ کے لیے بڑا دردناک تھا، حضور نے جب ان کو اپنی گود میں لیا آپ کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا آپ بھی روتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا اے عوف کے بیٹے! میرا رونا شفقت کا رونا ہے۔اس کے بعد پھر آنسو بہے اور یہ کلمات زبان پر جاری تھے۔

"ان العین تدمع ، والقلب یحزن ولا نقول الا مایرضیٰ ربنا وانا بفراقک یاابراھیم لمحزونون"

آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غمزدہ ہے مگر ہم وہی بات زبان سے نکالتے ہیں جس سے ہمارا رب خوش ہوجائے اور بلا شبہ اے ابراہیم! ہم تمہاری جُدائی سے بہت زیادہ غمگین ہیں۔

بیٹوں کے علاوہ بیٹیوں سے بھی سرکار علیہ السلام بہت محبت فرماتے تھے۔آپ کی چار بیٹیاں تھیں اور اُن چاروں کی تمام ضروریات کا خیال کرنا، ان کی بہترین تربیت فرمانا، ان کے دل کے آبگینہ کو کبھی ٹوٹنے نہ دینا سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمال تھا۔

ایک مشفق باپ اپنی بیٹی کے لیے آج سب کچھ کرنے کو تیار نظر آتا ہے یہ بھی حضور علیہ السلام کے بے انتہا کرم واحسان کا صلہ ہے۔جیسا کہ سیرت کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ جنگِ بدر کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری بیٹی حضرتِ رقیہ رضی اللہ عنہا سخت بیمار تھیں اس وجہ سے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کو ان کی دیکھ بھال کے لیے جنگِ بدر کی شرکت سے روک دیا اور حکم دیا کہ وہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی

تیمارداری کریں اور اس کا حضرتِ عثمانِ غنی کو یہ صلہ عطا ہوا کہ مختارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگِ بدر میں شرکت نہ کرنے کے باوجود بھی آپ کو جنگِ بدر کے مجاہدین میں شمار فرمایا اور جنگِ بدر کے مالِ غنیمت میں سے ان کو مجاہدین کے برابر حصہ بھی عطا فرمایا اور شرکاءِ جنگِ بدر کے برابر اجرِ عظیم کی بشارت بھی دی۔

ملخص سیرتِ مصطفیٰ ص: ۶۹۵

حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا سرکار علیہ السلام کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں آپ تقریباً ہر روز اپنی جگر کے ٹکڑے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے، ان کے ہر رنج و راحت میں شریک ہوتے، ان کی دلجوئی کرتے اور جب حضرتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے گھر تشریف لاتیں تو حضور علیہ السلام کھڑے ہوجاتے، ان کی پیشانی چومتے اور اپنی جگہ انھیں بٹھاتے تھے۔

حضرت ثوبان مولائے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب سفر میں تشریف لے جاتے تو سب کے آخر میں سیدہ زہرا سے رخصت ہوتے اور جب سفر سے تشریف لاتے تو سب سے پہلے اپنے اہلِ بیت میں سے ان سے ملاقات فرماتے ان کے بعد ازواجِ مطہرات کے حجروں میں تشریف لے جاتے۔

مدارج النبوت، جلد دوم ص: ۵۳۵

اولاد سے تو ہر باپ کو محبت ہوتی ہے مگر اُس دور میں اولاد پر شفقت کا برتاؤ بھی انسانیت پر عظیم احسان ہے اور خاص طور سے بیٹیوں کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کرنا تو بہت ہی اہم حیثیت کا حامل ہے کیوں کہ زمانۂ جاہلیت میں ظالم باپ خود اپنے ہاتھوں سے اپنی بچیوں کو زندہ در گور کردیتا تھا، بیٹیوں کے پیدا ہونے کے بعد باپ کا چہرہ اُتر جاتا تھا وہ بیٹیوں کو اپنے لیے باعثِ ننگ و عار سمجھتے تھے۔ ایسے ماحول میں وہ بیٹیاں جو کسی صبحِ سعادت و نجات کے انتظار میں تھیں ان کے لیے حضور علیہ السلام ایک نجات دہندہ بن کر تشریف لائے اور کائنات بھر کے بھٹکے ہوئے باپوں کے لیے ایک بہترین باپ بن کر انھیں بیٹیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کا اہم درس دیا۔ آج اگر بیٹیاں جبر و استبداد سے نکل کر باپوں کے دلوں کی دھڑکن بنی ہوئی ہیں تو وہ بھی صدقہ ہے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا

غلاموں اور خادموں کے اچھے آقا

اللہ رب العزت نے حضور علیہ السلام کو تمام طرح کی بُرائیوں کا خاتمہ فرمانے کے لیے مبعوث فرمایا۔ اُس زمانے میں غلاموں کے ساتھ جیسا سُلوک ہوتا تھا اسے پڑھ کر آج بھی روحیں کانپ جاتی ہیں بلکہ یہ سمجھ لیں کہ انھیں انسان سمجھا ہی نہیں جاتا تھا بلکہ جانوروں سے بدتر اور کام کرنے کی مشین انھیں سمجھا جاتا تھا۔ اُن کے احساسات وجذبات کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی اور تقریباً ہر گھر کا یہی حال تھا مگر حضور علیہ السلام نے اپنے گھر کے غلاموں اور خادموں کے ساتھ بہت ہی مشفقانہ اور رحمت بھرا برتاؤ رکھا، پوری زندگی غلاموں، خادموں کو ڈانٹا پھٹکارا نہیں نہ کبھی اُن پر ہاتھ اٹھایا بلکہ اپنے اصحاب کو بھی حکم دیا کہ وہ تمھارے بھائی ہیں جیسا خود کھاتے ہو انھیں بھی کھلاؤ جیسا خود پہنتے ہو انھیں بھی پہناؤ اور مارنے پیٹنے نیز طاقت سے زیادہ کام لینے کی سختی سے ممانعت فرمادی۔ چناں چہ حدیث میں ہے:

(۱) عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ لِي النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم: إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِه فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا تُكَلِّفُوْهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَإِنْ كَلَّفْتُمُوْهُمْ فَأَعِينُوْهُمْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

(بخاری شریف کتاب الایمان، باب المعاصی من امر الجاھلیۃ)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے غلام بھی تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کیا ہے، سو جو تم خود کھاتے ہو اُنہیں بھی وہی کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو اُنہیں بھی وہی

پہناؤ۔ اُنہیں اُن کی طاقت سے بڑھ کر کسی کام کا مکلف نہ ٹھہراؤ اور اگر ایسا کوئی کام اُن کے ذمہ لگاؤ تو اُس کام میں خود بھی اُن کی مدد کرو۔‘‘

(۲) عَنْ أَبِي مَسْعُوْدٍ الْبَدْرِيِّ رضي الله عنه قَالَ: كُنْتُ أَضْرِبُ غُلَامًا لِي بِالسَّوْطِ فَسَمِعْتُ صَوْتًا مِنْ خَلْفِي: اعْلَمْ أَبَا مَسْعُوْدٍ، فَلَمْ أَفْهَمِ الصَّوْتَ مِنَ الْغَضَبِ، قَالَ: فَلَمَّا دَنَا مِنِّي إِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم، فَإِذَا هُوَ يَقُوْلُ: اعْلَمْ أَبَا مَسْعُوْدٍ، اعْلَمْ أَبَا مَسْعُوْدٍ، قَالَ: فَأَلْقَيْتُ السَّوْطَ مِنْ يَدِي، فَقَالَ: اعْلَمْ أَبَا مَسْعُوْدٍ، أَنَّ اللهَ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلٰى هٰذَا الْغُلَامِ، قَالَ: فَقُلْتُ: لَا أَضْرِبُ مَمْلُوْكًا بَعْدَه أَبَدًا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ. وفي رواية أبي داود: فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، هُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللهِ تَعَالٰى. قَالَ: أَمَا إِنَّكَ لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْكَ النَّارُ أَوْ لَمَسَّتْكَ النَّارُ

(مسلم شریف، کتاب الایمان، باب صحبۃ الممالیک وکفارۃ من لطم عبدہ)

حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے ایک غلام کو چابک سے مار رہا تھا کہ اچانک میں نے اپنے پیچھے سے ایک آواز سنی، اے ابو مسعود! جان لو! میں غصے کی وجہ سے اُس آواز کو پہچان نہ سکا۔ جب وہ (آواز دینے والا) میرے قریب ہوا تو میں نے پہچانا کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے: اے ابو مسعود! جان لو، اے ابو مسعود! جان لو، حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے ہاتھ سے چابک پھینک دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابو مسعود! جان لو کہ جتنا تم اِس غلام پر قادر ہو اللہ تعالیٰ تم پر اُس سے زیادہ قادر ہے۔ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: میں آئندہ کسی غلام کو کبھی بھی نہیں ماروں گا۔‘‘

اس حدیث کو امامِ مسلم، ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یوں ہے۔ (حضرت ابو مسعود بدری بیان کرتے ہیں) کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ اللہ رب العزت کی خاطر آزاد ہے۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اگر تم ایسا نہ کرتے تو آگ تم میں چمٹ جاتی یا فرمایا کہ آگ تم سے لپٹ جاتی۔

(۳) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، كَمْ أَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ؟ فَصَمَتَ عَنْهُ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم ثُمَّ قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، كَمْ أَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ؟ فَقَالَ: كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَأَحْمَدُ. وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ: هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ.

(ترمذی شریف، کتاب البر والصلۃ، باب ما جاء فی العفو عن الخادم)

’’حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اپنے خادم کو کتنی بار معاف کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے، اُس نے پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اپنے خادم کو کتنی بار معاف کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر روز ستر مرتبہ۔‘‘

اللہ اللہ! کس قدر رحیمانہ اور مشفقانہ برتاؤ کا حکم دیا، مشکل کاموں میں جہاں غلاموں سے مدد لینے کا حکم دیا وہیں جو کام اُن کے لیے مشکل ہو اس میں اُن کی مدد کرنے کا بھی حکم دیا اور جو سہولتیں، آسانیاں، نرمیاں کہیں اور نہیں مل سکتی تھیں وہ حضور کی کرم نوازیوں سے غلاموں کو عطا ہوئیں اور جیسا سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا ویسا خود پوری زندگی کر کے دکھایا بھی ہے۔ حضرت زید بن حارثہ حضور علیہ السلام کے غلام تھے شام کے بازار سے خرید کر حکیم بن حزام نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو پیش کیا اور انھوں نے حضور علیہ السلام کو، سیرت کا مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ زید بن حارثہ کے ساتھ حضور کے تعلقات آقا اور غلاموں والا نہیں تھا بلکہ حضور نے

انھیں گھر کے ایک فرد کی حیثیت دی، اپنا متبنیٰ بیٹا قرار دیا اور اس قدر لازوال محبتوں، شفقتوں سے نوازا کہ وہ اپنے حقیقی باپ اور رشتہ داروں، بھائی بہنوں کو چھوڑ کر حضور علیہ السلام ہی کی خدمت کو اپنے لیے اختیار کر لیا۔

اس کے علاوہ غلام کا بیٹا بھی غلام ہی ہوتا ہے مگر حضور نے زید بن حارثہ کے بیٹے حضرتِ اسامہ رضی اللہ عنہ کو بیٹوں کی طرح پرورش کی، انھیں اپنی گود میں کھلایا، اپنے پیچھے سواری پر سوار کیا اور انسانی تاریخ حیرت زدہ ہے کہ اپنی وفاتِ ظاہری سے قبل سرکار علیہ السلام نے ملکِ شام کی طرف جو لشکر بھیجا تھا اس کی اعلیٰ کمان حضرت زید بن حارثہ کے ہاتھوں میں دے دی جس لشکر میں حضرت خالد بن ولید، حضرت ابوعبیدہ بن جراح جیسے اعلیٰ کمانڈر صحابی موجود تھے اور اکابر و تجربہ کار صحابی موجود تھے یقیناً یہ ایسی مثال ہے جو حضور علیہ السلام سے پہلے دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے۔

رشتہ داروں کے لیے اچھے رشتہ دار

ایک انسان اپنے رشتہ داروں اور پڑوسیوں سے حُسن سلوک کا معاملہ رکھے بغیر بہتر انسان نہیں ہوسکتا، یہ بھی عائلی زندگی کا ایک اہم حصہ ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کی بہت تاکید آئی ہے۔ رشتہ داروں سے ملنا جُلنا، ان کی دلجوئی، حاجت روائی اور تحائف وغیرہ کے متعلق حضور علیہ السلام کی سیرتِ مبارکہ نقوشِ راہِ عمل ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رشتہ جوڑنے والا وہ نہیں جو بدلہ چکائے بلکہ جوڑنے والا وہ ہے کہ جب اس سے رشتہ توڑا جائے تو وہ اسے جوڑ دے۔

(بخاری شریف ج:۴ ص:۹۸ حدیث:۵۹۹۱)

سرکار علیہ السلام کے رشتہ داروں میں آپ کے چچا، چچازاد بھائی پھوپھیاں وغیرہ تھے جن میں سے ہر ایک کے ساتھ آپ نے اعلیٰ حُسنِ اخلاق کا مظاہرہ فرمایا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم آپ کے چچا ابوطالب کے فرزند ہیں جب ابوطالب معاشی اعتبار سے کمزور ہوئے تو حضور علیہ السلام نے اپنے چچازاد بھائی علی رضی اللہ عنہ کو اپنی کفالت میں لے لیا اور آپ کی بہترین پرورش کی، بہترین تربیت اور علوم وفنون کے اعلیٰ مقام تک پہنچایا یہاں تک کہ انھیں ''باب العلم'' کا درجہ عطا فرمایا۔ اپنی سب سے چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اُن سے نکاح فرمایا اور کتنی فضیلتوں اور عظمتوں سے انھیں سرفراز کیا یہ تو آپ کا رب جانتا ہے۔

حضور کے چچا حضرتِ عباس رضی اللہ عنہ کے فضائل بھی احادیث میں بکثرت ہیں۔ حضور نے ان کی اور ان کی اولاد کے حق میں بہت سی بشارتیں دیں اور اچھی اچھی دعائیں فرما کر انھیں دارین کی سعادتوں سے بہرور فرمایا۔

اپنے والدین کی طرف سے جو رشتہ دار تھے ان کا تو خاص خیال فرماتے ہی تھے دودھ کے رشتوں کا بھی حددرجہ پاس و لحاظ کیا چناں چہ حضرتِ عمرو بن سائب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا تو آپ ﷺ کے رضاعی باپ یعنی حضرت بی بی حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اپنے کپڑے کا ایک حصہ ان کے لیے بچھا دیا اور وہ اس پر بیٹھ گئے پھر آپ ﷺ کی رضاعی ماں حضرت بی بی حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لائیں تو آپ ﷺ نے اپنے کپڑے کا باقی حصہ ان کے لیے بچھا دیا پھر آپ ﷺ کے رضاعی بھائی آئے تو آپ نے ان کو اپنے سامنے بٹھالیا اور حضور ﷺ حضرت ثویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ہمیشہ کپڑا وغیرہ بھیجتے رہتے تھے یہ ابولہب کی لونڈی تھیں اور چند دنوں تک حضور ﷺ کو انھوں نے بھی دودھ پلایا تھا۔

(سیرتِ مصطفیٰ ص:۶۱۲ بحوالہ شفاء شریف جلد اول ص:۷۵)

بہترین پڑوسی

آقائے کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہمیشہ اپنے پڑوسیوں کا

خیال فرماتے، ان کی خبر گیری کرتے رہتے اور جہاں تک ممکن ہوتا ان کی مدد کرتے بلکہ صحابۂ کرام کو بھی پڑوسیوں کے حقوق اور ان کی خبر گیری کا تاکیدی حکم فرماتے۔

(۱) دیلمی نے حضرتِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی، کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! پڑوسی کا بچہ آجائے تو اس کے ہاتھ میں کچھ رکھ دو کہ اس سے محبت بڑھے گی۔

(بہارِ شریعت جلد سوم ص:۵۶۶)

بیہقی نے شعب الایمان میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی، کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''مومن وہ نہیں جو خود پیٹ بھر کھائے اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا رہے۔'' یعنی مومن کامل نہیں۔

(بہارِ شریعت جلد سوم ص:۵۶۶)

یتیم بچوں کی کفالت

حضور علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ اس حیثیت سے مثالی ہے۔ آپ یتیموں کی بطورِ خاص کفالت فرماتے اور اپنے گھر کا دروازہ کبھی بھی یتیموں کے لیے بند نہ کیا۔ حضور علیہ السلام کی ایک بیوی ام المؤمنین حضرتِ امِ سلمہ رضی اللہ عنہا جن کے شوہر جنگِ بدر میں شہید ہو گئے اور اپنے پیچھے چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑ گئے، حضور علیہ السلام نے اپنے جاں نثار صحابی کی بیوہ سے نکاح فرمالیا اور اُن کے تمام یتیم بچوں کی کفالت اپنے ذمۂ کرم پر لے لیا۔

☆☆☆
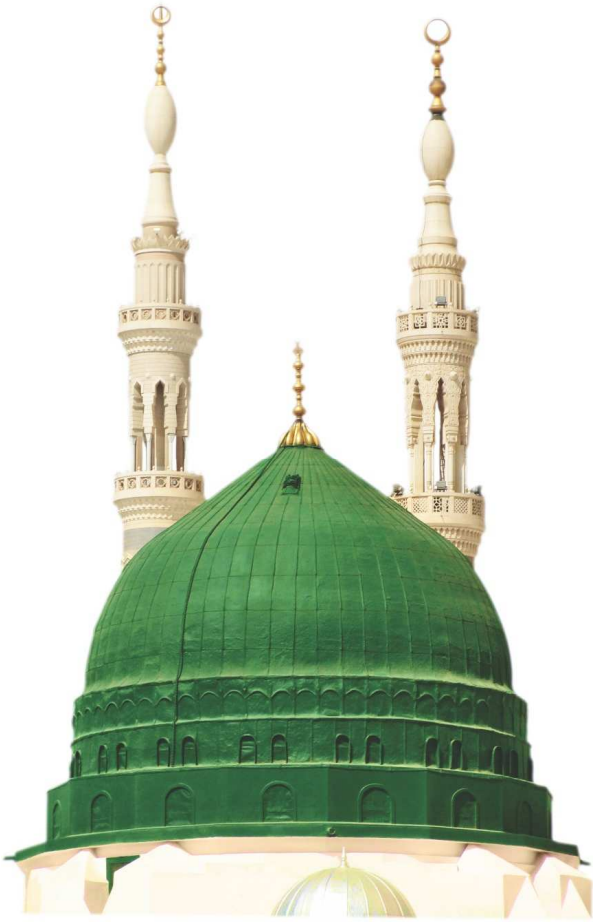
اسلامیات:

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند

مولانا مبارک حسین مصباحی
[الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور]

☆☆☆

تاریخی سچائیاں حقائق پر مبنی ہوتی ہیں، دنیا جہان کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے، اسی نے سب سے پہلے اپنے آخری رسول مصطفیٰ کے نور کو پیدا فرمایا، وہی نور بے شمار برس تک گاہے بہ گاہے جگمگاتا رہا، پھر اس سے اللہ تعالیٰ نے درجہ بہ درجہ سب کو پیدا فرمایا۔ کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا اور رسولوں کی تخلیق فرمائی۔ آخری نبی اور آخری رسول مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ بحیثیت پیغمبر تشریف لائے۔ آپ کی ولادت با سعادت خاتون جنت حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے ۲۰/ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی۔ وہ دن پیر کا دن تھا اور صبح صادق تھا۔

سچے عاشقِ رسول امام احمد رضا محدث بریلوی نے کیا عرض کیا ہے۔

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

انسانی دنیا میں آپ ﷺ کی جلوہ گری رحمتوں کی چھتر چھایا میں ہوئی۔ آپ ﷺ کا وجود مسعود سراپا معجزہ تھا۔ دنیا کا ہر بچہ روتا ہوا پیدا ہوتا ہے، مگر ہم سب کے آقا و مولا کے نازک لبوں پر مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ آپ کی شیریں زبان پر "رب ھب لی امتی، رب ھب لی امتی" کے مقدس کلمات جاری تھے۔ پیدا ہوتے ہی آپ نے اپنا سرِ اقدس سجدے میں رکھ دیا اور تسبیح میں انھیں بابرکت کلمات کا ورد فرما رہے تھے۔ آپ کے عہد شیرخوارگی کی کثیر حیرت انگیز اور انوکھی چیزیں ہیں جنھیں ہم اسلامی اصطلاح میں معجزات کہتے ہیں۔

آپ کی نسبی پاکیزگی بھی پوری دنیا میں سب سے اعلیٰ اور برتر ہے۔ سیدنا حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا:

"میرے حسب ونسب میں جاہلیت کی بداعمالیاں موجود نہیں اور میں صرف نکاحِ اسلام سے پیدا ہوا ہوں۔"

[انسانِ کامل، ص:13]

ہشام ابن محمد الکلبی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ: "میں نے حضور اقدس ﷺ کی پانچ سو مائیں لکھیں تو میں نے ان گرامی قدر ہستیوں میں سے کسی میں بھی جاہلیت کی برائیاں نہیں پائیں۔"

پوری دنیا کا ہر بندۂ مومن یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ عز وجل نے آپ کا بدن مبارک اس طرح بنایا کہ نہ آپ سے پہلے کوئی بدن ظہور میں آیا اور نہ قیامت تک کوئی دوسرا بدن ایسا ہوگا۔ آپ کے جسم پاک کا ایک ایک عضو بے مثال تھا۔ ترمذی شریف میں آپ کے چہرۂ انور کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ "آپ ﷺ کا چہرۂ انور اس قدر چمک دمک والا تھا کہ گویا اس مقدس چہرۂ اقدس میں سورج رواں دواں ہے۔"

ترمذی شریف کی حدیث صحیح ہے کہ "ایک چاندنی رات میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے حضور سرورِ دو عالم ﷺ

کی زیارت کرنا شروع کی، آپ فرماتے ہیں کہ میں باعثِ تخلیق عالم ﷺ کو دیکھتا اور چاند کو بھی، لیکن آپ ﷺ مجھے چاند سے کہیں زیادہ حسین وجمیل اور خوب صورت نظر آتے۔

پیکرِ جمال، نبیِ آخر الزماں ﷺ کے رخسار انتہائی موزوں تھے، چشمانِ مبارک پرنور اور سراپا نور تھیں، صحیح حدیثِ پاک میں ہے کہ حضور ﷺ رات کے اندھیرے میں بالکل اسی طرح ملاحظہ فرماتے جس طرح دن کے اجالے میں مشاہدہ فرماتے۔ آپ اپنے پیچھے بھی اسی طرح دیکھتے جیسے سامنے ملاحظہ فرماتے۔ امیر المؤمنین سیدنا علی راوی ہیں کہ ”حضور پرنور ﷺ کی آنکھیں بڑی، بھنوؤں اور ابروؤں کے کافی بالوں والی اور سرخ رنگ والی تھیں“۔ حضرت مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کی مبارک اور بے مثال پیشانی واضح، نمایاں اور کھلی تھی۔ بینی مبارک بھی حسن کی پیکر تھی، سامنے سے سیدھی، بلند، درمیان سے انتہائی تناسب سے ڈھلی ہوئی۔ چہرۂ اقدس انتہائی طیب و پاکیزہ اور حسین وجمیل تھا، آپ کے دانت مبارک موتیوں کی مانند چمکتے تھے۔

آپ ﷺ کا وجودِ ناز بہت زیادہ شان وشوکت والا تھا، ترمذی شریف میں ہند بن ابو ہالہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ شان وشوکت اور بہت ہی جلالت و ہیبت والے تھے۔ شمائل ترمذی میں انھیں سے مروی ہے کہ ”جب حضور ﷺ گفتگو فرماتے تو حضور کی بارگاہ اقدس میں موجود حاضرین اپنے سروں کو یوں جھکا لیتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔

شہیدِ کربلا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضور مولا علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا ہمیشہ اپنے ہم مجلس لوگوں کے ساتھ کیا رویہ ہوتا تھا؟ تو انھوں نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ خندہ روئی، نرمی اور مہربانی سے پیش آتے، آپ نہ بد اخلاق تھے اور نہ ترش رو، مجلس میں بلند آواز سے چیخ چیخ کر ہرگز نہ بولتے، کوئی برا کلمہ ادا نہ کرتے، کسی انسان، حیوان یا طعام میں عیب نہ نکالتے، کسی معاملے میں تنگی ودشواری پیدا نہ کرتے، دنیوی اشیا کی تعریف میں مبالغہ نہ کرتے اور نہ بہت زیادہ ہنسی مذاق کرنے والے تھے۔

اگر کبھی کسی سے مجلس میں کوئی ایسی بات سرزد ہو جاتی جو آپ کو پسند نہ ہوتی تو اس سے تغافل برتتے، کسی نے آپ سے کوئی امید لگائی ہوتی تو اسے مایوس نہ فرماتے۔

(الاحزاب:21)

ترجمہ: بے شک تمھیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے اس کے لیے کہ اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے۔

بلاشبہہ ہمارے آقا ﷺ قیامت تک کے لیے نبی بن کر آئے، قرآن عظیم بلاشبہہ ہمارے رسول ﷺ کا ایک زندہ معجزہ ہے جس میں تبدیلی نہیں ہوئی، زیر وزبر کا بھی فرق نہ ہو سکا، اس لیے ہم بڑے ادب سے امتِ مسلمہ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ اس وقت پندرہویں صدی ہجری چل رہی ہے، بظاہر دنیا نے سائنس اور ٹکنالوجی میں حیرت انگیز ترقی کی ہے، ان تمام ترقیوں نے انسانی دنیا کو آسانیاں بھی فراہم کی ہیں، مگر اسی کے ساتھ دورِ جاہلیت کی برائیاں بھی پلٹ کر آ رہی ہیں، پہلے باپ بچیوں کے پیدا ہونے کے بعد درگور کرتے تھے، مگر اب ماں کے پیٹ ہی میں ضائع کر دیتے ہیں، آج بھی دنیا میں لاکھوں بچیوں کو ضائع کیا جا رہا ہے، عورتیں پہلے رسومِ جاہلیت کی وجہ سے برہنہ رہتی تھیں، اب جدید دور میں فیشن کے نام پر ننگی رہتی ہیں۔ حکومت، سیاست، معیشت اور معاشرت ہر رخ پر انسان قباحتوں کا خوگر ہو گیا ہے۔ انسان انسان پر ظلم کر رہا ہے، کل انسانوں کے بدنوں کو غلام بنایا جاتا تھا، اب ذہنی اور فکری غلامی کا دور دورہ ہے۔

اس لیے ہم عالمِ اسلام سے بڑے ادب سے عرض گزار ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کتابِ ہدایت بھی عطا فرمائی اور سیرتِ

رسول ﷺ کی شکل میں عملی نمونہ بھی ۔ ہر سال بارہ ربیع الاول شریف تشریف لاتا ہے، سیرت النبی ﷺ کے جلسے بھی ہوتے ہیں اور بڑی شان کے ساتھ جلوس عید میلاد النبی ﷺ بھی نکلتے ہیں۔نعرے لگانا بھی عشق ومحبت کی دلیل ہے، مگر سچا عشق یہ ہے کہ ہم نمازی بنیں، روزے رکھیں، بہ شرائط مخصوصہ زکوۃ ادا کریں، اپنے کردار واخلاق میں پیکر اخلاق رحمت دارین کی عملی تصویر بنیں۔ہم دعوت وتبلیغ کا فریضہ تحریر وتقریر سے بھی انجام دیں اور رسول کریم ﷺ کی طرح اپنے کردار واخلاق سے بھی انجام دیں۔ باعمل انسان جب کوئی بات پیش کرتا ہے تو اس میں تاثیر ہوتی ہے اور مدعو کے دل پر اس کا زیادہ اثر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے اور اپنے بھائیوں کو چلانے کی توفیق خیر عطا فرمائے۔آمین۔

اب ہم شیدائے مصطفیٰ حضرت شیخ سعدی شیرازی کے ان اشعار پر اپنی تحریر پر تنویر کرتے ہیں۔

بلغ العلیٰ بکماله
کشف الدجیٰ بجماله
حسنت جمیع خصاله
صلوا علیه وآله

آپ نے تین چیزوں کو اپنے لیے متروک کر رکھا تھا، جھگڑا کرنا، کثرت طلبی اور لایعنی گفتگو،اسی طرح آپ نہ کسی کی مذمت کرتے ، نہ کسی کا عیب بیان کرتے اور نہ کسی کی شرم گاہ پر نظر ڈالتے ، وہی کچھ بولتے جس کے لیے لوگ آپ سے عرض کرتے ، بات کرتے تو سامعین خاموش ہوتے کہ جیسے ان میں جان ہی نہیں ،آپ گفتگو ختم کر لیتے تو وہ بولتے اور کبھی آپ کی موجودگی میں کسی بات پر باہم اختلاف نہ کرتے ،آپ کی مجلس میں جو شخص بولتا تو اس وقت تک نہ بولتے جب تک وہ شخص بات ختم نہ کر لیتا آپ کی مجلس میں وہی شخص پہلے بولتا جو پہلے آیا ہوتا ،جس بات پر اہل مجلس ہنستے آپ بھی ان کے ساتھ تبسم فرماتے اور جس بات پر وہ حیران ہوتے آپ اظہار حیرانگی فرماتے۔

آپ اجنبی لوگوں کے کھر درے سوالات کو خندہ پیشانی سے سنتے اور ان کا جواب دیتے اور آپ کے صحابہ اجنبی لوگوں کو آپ کی خدمت میں لے آتے تا کہ وہ سوالات کریں اور رسول اللہ ﷺ کے جوابات سے مستفید ہوں ، آپ فرماتے تھے جب تم کسی ضرورت مند کو دیکھو تو اس کی ضرورت پوری کرنے میں اس کی مدد کرو، آپ صرف اس شخص سے اپنی تعریف کو قبول کر لیتے تھے جو تعریف میں افراط وتفریط سے کام نہ لیتا ہو،آپ کسی کی بات کو نہیں کاٹتے تھے۔ اگر کوئی گفتگو میں حد سے تجاوز کرتا تو اسے منع کر دیتے یا وہاں سے اٹھ جاتے۔

آپ اہل باطل کی حماقتوں سے چشم پوشی کرتے ہوئے ان کے اقوال کے ظاہر کو قبول کر لیتے تھے، اگر چہ ان کی باتوں سے ان کے مذموم عزائم کا پتہ چل رہا ہوتا، اسی ضمن میں ایک واقعہ ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت آپ کے پاس آئی تو السلام علیکم کے بجائے السام علیکم کہا (تم پر ہلاکت ہو) تو حضرت عائشہ نے ان کے جواب میں علیکم السام واللعنۃ (تم پر ہلاکت اور لعنت ہو) کہا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند فرماتا ہے۔حضرت عائشہ نے کہا آپ نے نہیں سنا، انہوں نے کیا کہا ہے۔آپ نے فرمایا، میں ان کو جواب دے چکا ہوں وعلیکم۔اسے مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ایسا خطبہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے پہلے کبھی ان سے نہ سنا تھا،آپ نے اس خطبہ میں فرمایا: اگر تم یہ جان لیتے جو میں جانتا ہوں تو تم تھوڑا ہنستے اور زیادہ روتے۔

پھر فرمایا: میرے سامنے جنت اور دوزخ کو پیش کیا گیا ،تو میں نے آج کے روز کی طرح خیر وشر نہیں دیکھا اور اگر تم وہ جان

لیتے جو میں جانتا ہوں تو ہنستے کم اور روتے زیادہ، صحابہ پر اس سے سخت دن کبھی نہیں آیا اور وہ سر ڈھانپ کر روتے رہے۔

اس حدیث میں آپ کے خوفِ خدا کی بڑی دلیل ہے اور اس میں خوف خدا سے آپ کے کثرت گریہ کا ذکر موجود ہے۔

آپ کی خشیت کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حضور انکسار و تواضع اختیار کرتے ہی ہر جگہ، ہر حال اور ہر نماز میں خشیتِ الٰہی آپ پر طاری رہتی۔ آپ کا خشوع اس قدر تھا کہ نماز کے دوران آپ کے بطن مبارک سے ہانڈی کے جوش مارنے کی سی آواز آتی تھی۔

احادیث نبویہ اور دیگر کتبِ سیرت کے حوالے سے آپ نے ہم سب کے آخری رسول ﷺ کی سیرت پاک اور ان کے حسین کردار کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں۔ بلاشبہ نبی آخر الزماں ﷺ کی ذات دنیا میں سب سے آخر میں جلوہ گر ہوئی، مگر آپ کے نور کو خداے بزرگ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا: أول ما خلق اللہ نوری۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کی تخلیق فرمائی، خیر یہ ایک طویل حدیث کا مختصر جز ہے، آپ کی ذات اور آپ کی صفات سراپا معجزہ تھیں۔ آقا حضور ﷺ نے ایسے دور میں جلوہ گری فرمائی کہ دنیا میں کفر و شرک اور ظلم و ستم کی فراوانی تھی، اہلِ کتاب تھے مگر انھوں نے اپنے نبیوں پر نازل ہونے والی آسمانی کتابوں میں تبدیلیاں کر لی تھیں۔ توحید ربانی کا سب سے بڑا مرکز خانۂ کعبہ بتوں کا مرکز بن چکا تھا۔ عرب میں باپ چھوٹی چھوٹی بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ ہندوستان میں اگر شوہر مرجاتا تو اس کی بیوی کو اسی شوہر کے ساتھ نذر آتش کر دیا جاتا، مردوں کو غلام اور عورتوں کو باندی بنالیا جاتا تھا۔

ہمارے آقا حضور ﷺ تشریف لائے، آپ کی ذات سراپا رحمت و برکت تھی، آپ پر اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن عظیم کو نازل فرمایا، اس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

(المائدہ:3)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔

قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیْرًا ﴿۲۱﴾

از: مبارک حسین مصباحی

مدیرِ اعلیٰ: ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور

اسلامیات:

(قسط اول)

”گیارہویں شریف“ کی شرعی حیثیت

تحریر: محمد شفاء المصطفیٰ شفا مصباحی
[مدیر: سہ ماہی پیام بصیرت سیتامڑھی]

☆☆☆

اسلامی مہینے کی گیارہویں تاریخ کو حضور پُرنور محبوبِ سبحانی، قطبِ ربانی، غوثِ صمدانی سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ النورانی کے نام سے فاتحہ دلائی جاتی ہے، جسے تاریخ کی مناسبت سے ”گیارہویں شریف“ کہا جاتا ہے؛ بلکہ حضور غوثِ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ اب جس بھی تاریخ میں ہو، اسے ”گیارہویں شریف“ ہی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

”گیارہویں شریف“ یہ ایصالِ ثواب کی ایک قسم ہے۔ اور ایصالِ ثواب شرعاً جائز بلکہ مندوب و مستحسن ہے اور اس کا جواز و استحسان، قرآن مجید، احادیث وفقہ وائمہ دین سے ثابت ہے۔ تو گویا ”گیارہویں شریف“ بھی شرعاً جائز و مستحسن ہوا کہ مطلق کے جواز و استحسان سے اس کے افراد و اقسام کا جواز و استحسان، خود بخود ثابت ہو جاتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ”گیارہویں شریف“ بھی شرعاً جائز و مستحسن ہے اور اس کا جواز و استحسان، ایصالِ ثواب کے جواز و استحسان سے ثابت ہے۔

گیارہویں شریف کا جواز، چوں کہ نفسِ ایصال ثواب کے جواز سے ثابت ہے، اس لیے ہم ذیلی سطور میں اولاً نفسِ ایصال ثواب کے جواز پر دلائلِ شرعیہ پیش کریں گے اور وہی دلیلیں، خاص گیارہویں شریف کے جواز کی بھی دلیلیں ہوں گی۔ پھر ان دلائل کی بنا پر، جن ائمہ دین وعلمائے اعلام نے خاص ”گیارہویں شریف“ کے جواز کی تصریح فرمائی ہے، ہم ان کے اقوال ذکر کریں گے۔ اور اخیر میں گیارہویں شریف کے جواز پر وارد ہونے والے چند اعتراضات وشبہات کا جائزہ لے کر ان کے ازالے کی کوشش کریں گے۔

نفسِ ایصال ثواب کا جواز:

ایصالِ ثواب کیا ہے؟؟ ”ایصالِ ثواب“ یہ عربی زبان کے دو الفاظ ”ایصال“ اور ”ثواب“ سے مل کر بنا ہے۔ ”ایصال“ کا لغوی معنی ہے ”پہنچانا“ اور ثواب کے معنی ہیں، ”کسی کام یا اچھے کام کا بدلہ یا انعام“۔ تو اس طرح ایصالِ ثواب کا لغوی معنی ہوا: کسی اچھے کام کا انعام، بدلہ یا ثواب پہنچانا۔

اور شریعت کی اصطلاح میں، ”طاعات وعبادات اور صدقات و خیرات کا ثواب کسی مردہ یا زندہ مسلمان کو پہنچانا“ ایصالِ ثواب کہلاتا ہے۔

ایصالِ ثواب، ایک ایسی حقیقتِ شرعیہ ثابتہ ہے، جس سے مجالِ انکار نہیں۔ اس کے جواز پر واضح نصوصِ شرعیہ موجود ہیں اور قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک کے ائمہ وعلما اور صلحا کا بلا نکیر اس پر عمل ہے۔ بلکہ علمائے اعلام کی ایک جماعت نے اس کے جواز پر اہل سنت کا اجماع نقل فرمایا ہے۔ اب ہم اختصار و اجمال کے ساتھ ایصالِ ثواب کے جواز پر قرآن مجید اور احادیث وفقہ سے چند دلائلِ شرعیہ پیش کرتے ہیں۔

ایصالِ ثواب اور قرآن مجید:

قرآن کریم میں بعد میں آنے والوں کی دعا کا ذکر اس طرح ہے:

﴿وَ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَ لِاِخۡوَانِنَا الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ وَ لَا تَجۡعَلۡ فِیۡ قُلُوۡبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّکَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ﴾

{سورۃ الحشر:۱۰.}

ترجمۂ کنز الایمان:''اور وہ جواُن کے بعد آئے عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دل میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ رکھ اے رب ہمارے بے شک تو ہی نہایت مہربان رحم والا ہے۔''

قرآن کریم نے ان لوگوں کے اس عمل کو بطورِ تعریف واستحسان بیان کیا ہے جو اس بات پر نص ہے کہ زندوں کی عبادت اور زندوں کے عمل خیر سے وفات پانے والے مومنین کو فائدہ پہنچتا ہے۔

قرآن کریم کی سورۂ ابراہیم میں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر ہے، جس میں آپ نے اپنی بخشش، اپنے ماں باپ کی بخشش اور تمام مومنین کی بخشش کی دعا فرمائی ہے۔ وہ آیت کریمہ یہ ہے:

﴿رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِیۡ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ

{سورہ ابراھیم:۴۱}.

ترجمۂ کنز الایمان:''اے ہمارے رب مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور سب مسلمانوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔''

سورۂ مومن کی آیت نمبر (۷) میں فرشتوں کا مومنین کے لیے دعاے مغفرت کرنے کا ذکر جمیل کچھ اس طرح ہے:

﴿اَلَّذِیۡنَ یَحۡمِلُوۡنَ الۡعَرۡشَ وَ مَنۡ حَوۡلَہٗ یُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّہِمۡ وَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ وَ یَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۚ رَبَّنَا وَسِعۡتَ کُلَّ شَیۡءٍ رَّحۡمَۃً وَّ عِلۡمًا فَاغۡفِرۡ لِلَّذِیۡنَ تَابُوۡا وَ اتَّبَعُوۡا سَبِیۡلَکَ وَ قِہِمۡ عَذَابَ الۡجَحِیۡمِ﴾

{سورۃ المؤمن:۷}

ترجمۂ کنز الایمان:''وہ جو عرش اُٹھاتے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بولتے اور اس پر ایمان لاتے اور مسلمانوں کی مغفرت مانگتے ہیں اے رب ہمارے تیرے رحمت وعلم میں ہر چیز کی سمائی ہے تو انہیں بخش دے جنہوں نے توبہ کی اور تیری راہ پر چلے اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔''

مذکورہ بالا تینوں آیات مبارکہ سے ایصالِ ثواب کے جواز کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

ایصالِ ثواب اور احادیثِ مبارکہ:

ایصالِ ثواب کے باب میں احادیث مبارکہ اس قدر کثرت سے وارد ہیں کہ اگر ان سب کو جمع کر دیا جائے تو ایک کتاب تیار ہو جائے۔ ہم یہاں ان میں سے چند احادیث مبارکہ پیش کرتے ہیں۔

(۱)''عن عائشة رضي الله عنها أن رجلا قال لنبي صلى الله تعالى عليه وسلم إن امي افتلتت نفسها وأظنها لو تكلمت تصدقت فهل لها أجر إن تصدقت عنها؟ قال: نعم''

[صحیح بخاري، رقم الحدیث:۱۳۸۸]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے کہا: میری ماں اچانک فوت ہوگئی اور میرا گمان ہے کہ اگر وہ بات کرتی۔ تو کچھ صدقہ کرتی، پس اگر میں اس کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو کیا اس کو کوئی اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔

(۲)''عن سعد بن عبادة قال يارسول الله! ان أم سعد ماتت فأي الصدقة أفضل؟ قال: الماء، فحفر بئرا وقال هذه لام سعد.

[سنن ابی داود، ج:۱،ص:۲۳۶]

ترجمہ: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے۔انھوں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ! بے شک سعد کی ماں وفات پا چکی ہے تو کونسا صدقہ بہتر ہے؟ فرمایا: پانی،تو اس پر حضرت سعد نے ایک کنواں کھودا اور کہا یہ سعد کی ماں کے لیے ہے۔یعنی اس کا ثواب سعد کی ماں کو پہنچے گا۔

(۳) ”عن ابن عباس قال: جاء رجل الى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فقال: يا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أن امي ماتت وعليها صوم شهر أفأقضيه عنها ؟ قال: لو كان على أمك دين أكنت قاضيه عنها؟ قال: نعم قال: فدين الله أحق أن يقضي.“

[مسلم شریف، کتاب الصیام، رقم الحدیث: ۱۱۴۸]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ آقا علیہ الصلوۃ والتسلیم کی بارگاہ میں ایک شخص حاضر آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم میری والدہ انتقال فرما چکی ہیں اس پر ایک مہینہ کا روزہ قضا رہ گیا ہے تو کیا میں اس کی طرف سے قضا کرلوں؟ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تمہاری والدہ پر کوئی قرض ہوتا تو کیا تم ادا کرتے ؟ کہا: ہاں حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: تو رب تبارک وتعالی کا قرض زیادہ حق رکھتا ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔

(٤) ”عن أبي هريرة رضى الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: اذا مات الإنسان انقطع عمله إلا من ثلاث صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعوله.

“[مسلم شریف، رقم الحدیث: ۱۶۳۱]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا دفترِ عمل بند ہو جاتا ہے، مگر تین چیزیں ایسی ہیں کہ اس کا ثواب مرنے والے کو ملتا رہتا ہے: (۱) صدقہ جاریہ (۲) نفع بخش علم (۳) نیک اولاد، جو اس کے حق میں دعا کرے۔

(٥) ”عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: إن الرجل لترفع درجة في الجنة فيقول: أنى هذا؟ فيقال: باستغفار ولدك لك.“

[سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، باب بر الوالدین، رقم الحدیث: ۳۶۶۰، کنز العمال، حرف النون]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک جنت میں ایک شخص کا درجہ بلند کیا جائے گا تو وہ کہے گا کہ یہ کیسے ہو گیا؟ تو اس سے کہا جائے گا: تمہارے لیے تمہاری اولاد کی دعاے مغفرت کی وجہ سے ہوا۔

یہ تمام احادیثِ مبارکہ ایصالِ ثواب کے جواز و استحسان پر روشن دلیلیں ہیں۔

ایصالِ ثواب اور کتبِ فقہ وکلام:

ہمارے ائمہ وفقہاے کرام نے بھی یہ صراحت فرمائی ہے کہ انسان اپنے ہر قسم کے اعمال کا ثواب دوسروں کو پہنچا سکتا ہے اور یہ ثواب انہیں پہنچتا بھی ہے۔ہم یہاں کتبِ فقہ وکلام سے کچھ صریح جزئیات پیش کرتے ہیں۔

ایصالِ ثواب کے حوالے سے، کروڑوں حنفیوں کے پیشوا امام اعظم ابو حنیفہ حضرت نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ (متوفی: ۱۵۰ھ) کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے، مشہور فقیہ ومحدث امام علامہ علی القاری الحنفی (متوفی: ۱۰۱٤ھ) امام اعظم کی مشہور کتابِ عقائد ”الفقہ الاکبر“ کی شرح میں لکھتے ہیں:

”أن دعاء الأحياء للأموات و صدقتهم عنهم نفع لهم، خلافا للمعتزلة....والأصل في ذلك عند أهل السنة أن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو حجاً أو صدقة أو غيرها...وعند أبي حنيفة رحمه الله وأصحابه يجوز ذلك وثوابه إلى الميت.“

ترجمہ: بے شک زندوں کا مُردوں کے لیے دُعا کرنا اوران کی

طرف سے صدقہ دینا مردوں کو نفع دیتا ہے، معتزلہ گمراہ فرقے کا اس میں اختلاف ہے، اور اصل اس میں یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک آدمی اپنے ہر عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچا سکتا ہے نماز ہو یا روزہ یا حج یا صدقہ یا کچھ، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک یہ سب جائز ہے اور میت کو اس کا ثواب پہنچتا ہے۔

[" منح الروض الازہر فی شرح الفقہ الاکبر"، الدعاء للمیت ینفع خلافا للمعتزلة، ص: ۳۶۹، ۳۷۱، ملخصا، دار البشائر الاسلامی، بیروت۔]

امام علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"فذهب أبو حنيفة و أحمد و جمهور السلف إلى وصولها"

یعنی امام اعظم ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل اور جماہیر امت کا مسلک یہ ہے کہ ایصالِ ثواب جائز ہے۔

[أيضا، ص: ۳۷۳]

امام ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح دلائلِ شرعیہ سے ثابت فرمایا ہے اور مخالفین کے اعتراضات و دلائل کا جائزہ لے کر ان کے مسکت جوابات دیے ہیں۔

امام سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی (متوفی: ۷۹۱ھ) علم عقائد و کلام کی مشہور کتاب "شرح عقائد نسفی" میں فرماتے ہیں:

"(وفي دعاء الأحياء للأموات وصدقتهم) أي تصدق الأحياء (عنهم) أي عن الأموات (نفع لهم) أي للأموات، خلافاً للمعتزلة."

[شرح العقائد النسفية، ص: ۱۵۸، دار احياء التراث العربي بيروت]

ترجمہ: زندوں کا مردوں کے لیے دعا کرنا اور مردوں کی طرف سے صدقہ کرنا، مردوں کے لیے نفع بخش ہے۔ اس مسئلہ میں معتزلہ کا اختلاف ہے۔

امام علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (متوفی: ۵۸۷ھ) فرماتے ہیں:

"من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الاموات والأحياء جاز ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة."

یعنی اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص روزہ رکھے، نماز پڑھے یا صدقہ کرے اور اس کا ثواب کسی مردہ یا زندہ مسلمان کو پہنچائے تو یہ جائز ہے اور ان کا ثواب اسے پہنچے گا۔

اس کے بعد امام کاسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے، اس کے ثبوت میں دو احادیثِ مبارکہ ذکر کر کے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے عہدِ مبارک سے لے کر آج تک مسلمانوں کا اس پر عمل ہے۔ چناں چہ رقم طراز ہیں:

"و عليه عمل المسلمين من لدن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - إلى يومنا هذا من زيارة القبور وقراءة القرآن عليها والتكفين والصدقات والصوم والصلاة وجعل ثوابها للأموات."

پھر امام موصوف ایصالِ ثواب کے جواز پر عقلی دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ولا امتناع في العقل أيضا لأن إعطاء الثواب من الله تعالى إفضال منه لا استحقاق عليه، فله أن يتفضل على من عمل لأجله بجعل الثواب له كما له أن يتفضل بإعطاء الثواب من غير عمل رأسا."

[بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الحج، فصل نبات الحرم، ج: ۲، ص: ۲۱۲، دار الکتب العلمیہ بیروت۔]

امام ابوالحسن برہان الدین مرغینانی (متوفی: ۵۹۳ھ) فقہ حنفی کی مشہور ترین کتاب "ہدایہ" میں فرماتے ہیں:

"الأصل في هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوما اوصدقة أو غيرها عند اهل السنة والجماعة."

[الھدایۃ، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر، ج: ۱، ص: ۱۷۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان۔]

یعنی دوسرے کی طرف سے حج کرنے کے باب میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ انسان اپنے عمل کا ثواب دوسروں کو دے سکتا ہے، نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا کچھ اور عمل۔ یہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک ثابت و مقرر ہے۔

امام عثمان بن علی فخر الدین زیلعی حنفی (متوفی ۷۴۳ھ) فرماتے ہیں۔

"الأصل في هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة صلاة كان أو صوما أو حجا أو صدقة أو قراءة قرآن أو الأذكار إلى غير ذلك من جميع أنواع البر، ويصل ذلك إلى الميت وينفعه."

[تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، باب الحج عن الغیر، ج:۲، ص:۸۳، المطبعۃ الکبری الأمیریۃ، بولاق قاہرہ۔]

اس کے بعد امام زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے مطلق ایصال ثواب سے انکار کو معتزلہ کا مذہب بتایا ہے اور ان کی دلیل ذکر کر کے اس کے متعدد جوابات دیے ہیں اور اہل سنت کے مذہب کو آیات و احادیث سے ثابت فرمایا ہے۔ تفصیل کے لیے مذکورہ بالا حوالہ کی طرف رجوع کریں۔

امام ابن نجیم حنفی مصری (متوفی: ۹۷۰ھ) فرماتے ہیں:

"إن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوما أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذكرا أو طوافا أو حجا أو عمرة أو غير ذلك عند أصحابنا للكتاب والسنة."

اس کے بعد علامہ ابنِ نجیم رحمۃ اللہ علیہ، اس کے ثبوت میں چند آیات واحادیث ذکر کرتے ہیں پھر" بدائع الصنائع" کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

"من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الاموات والأحياء جاز ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة كذا في البدائع."

[البحر الرائق شرح کنز الدقائق، باب الحج عن الغیر، ج:۳، ص:۶۳، دار الکتاب الاسلامی]

امام علاء الدین علی بن محمد حصکفی (متوفی:۱۰۸۸ھ) فرماتے ہیں:

"الأصل أن كل من أتى بعبادة ما، له جعل ثوابها لغيره وإن نواها عند الفعل لنفسه لظاهر الأدلة."

یعنی اصل یہ ہے کہ جو کوئی عبادت کرے اسے اختیار ہے کہ اس کا ثواب دوسرے کے لیے کر دے، اگرچہ ادائے عبادت کے وقت خود اپنے لیے کرنے کی نیت رہی ہو ظاہر دلائل سے یہ ثابت ہے۔

اسی کے تحت خاتم الفقہا علامہ ابن عابدین شامی (متوفی:۱۲۵۲ھ)"ردالمحتار" میں فرماتے ہیں:

"سواء كانت صلاة أو صوما أو صدقة أو قراءة أو ذكر أو طوافا أو حجا أو عمرة، أو غير ذلك من زيارة قبور الأنبياء - عليهم الصلاة والسلام - والشهداء والأولياء والصالحين، وتكفين الموتى، وجميع أنواع البر كما في الهندية."

[ردالمحتار مع الدر المختار، باب الحج عن الغیر، ج:۲، ص:۵۹۵، دار الفکر بیروت۔]

نیز علامہ شامی (متوفی:۱۲۵۲ھ) ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"وفي البحر: من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز، ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة كذا في البدائع، ثم قال: وبهذا علم أنه لا فرق بين أن يكون المجعول له ميتا أو حيا. والظاهر أنه لا فرق بين أن ينوي به عند الفعل للغير أو يفعله لنفسه ثم بعد ذلك يجعل ثوابه لغيره، لإطلاق كلامهم، وأنه لا فرق بين الفرض والنفل."

[ردالمحتار مع الدر المختار، مطلب في زيارة القبور، ج:۲، ص:۲۴۳، دار الفکر بیروت۔]

فقہ حنفی کی مشہور ترین کتاب "فتاوی ہندیہ" میں ہے:

"الأصل في هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة كان أو صوما أو صدقة أو غيرها كالحج وقراءة القرآن والأذكار وزيارة قبور الأنبياء -عليهم الصلاة والسلام- والشهداء والأولياء والصالحين وتكفين الموتى وجميع أنواع البر، كذا في غاية السروجي شرح الهداية."

[الفتاوی الہندیہ، المعروف بہ فتاوی عالمگیری، الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر،

ج:۱،ص:۲۵۷، دارالفکر۔]

محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی:۱۰۵۲ھ) ایک حدیث پاک

("عن عائشة رضي الله عنها أن رجلا قال لنبي صلى الله تعالى عليه وسلم إن امي افتلتت نفسها الخ")

کے تحت "لمعات التنقیح فی شرح مشکوۃ المصابیح" میں فرماتے ہیں:

"في الحديث دليل على أن ثواب الصدقة يصل إلى الميت و كذا حكم الدعاء هذا هو مذهب اهل الحق واختلفوا في العبادات البدنية كالصلوة وتلاوة القرآن والمختار نعم قياسا على الدعاء."

یعنی اس حدیث میں اس امر پر دلیل ہے کہ میت کو صدقہ کا ثواب پہنچتا ہے۔اور دعا کا بھی یہی حکم ہے اور اہل حق کا یہی مذہب ہے اور عبادات بدنیہ مثلا نماز و تلاوت قرآن میں اختلاف ہے اور مذہب مختار یہ ہے کہ دعا پر قیاس کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ ان کا ثواب بھی پہنچتا ہے۔

[بحوالہ فتاوی امجدیہ، باب الجنائز، ج:۱،ص:۳۴۶، مکتبہ رضویہ کراچی]

یہی محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، ایصالِ ثواب سے متعلق ایک حدیثِ پاک کے تحت "لمعات التنقیح" میں ہی لکھتے ہیں:

"قوله لو كان مسلما دل على أن الصدقة لا تنفع الكافر ولا تنجيه و على المسلم ينفعة العبادة المالية والبدنية."

یعنی اس سے معلوم ہوا کہ کافر کو نہ صدقہ نفع دے اور نہ اسے نجات دے اور مسلمان کو عبادتِ مالی اور بدنی دونوں سے نفع پہنچتا ہے۔"

[أیضا ص:۳۴۷]

ایصالِ ثواب اور اجماعِ اہل سنت:

ایصالِ ثواب، اہلِ سنت و جماعت کا ایسا ثابت و متفق علیہ مسئلہ ہے کہ علمائے سلف وخلف میں کوئی اس کا منکر نہیں، بلکہ بہت سے ائمۂ اسلام و علمائے اعلام نے اس کے جواز پر اجماعِ اہل سنت کا قول کیا ہے۔ہم ذیل میں چند نقولِ اجماع پیش کرتے ہیں۔

امام محی الدین یحییٰ بن شرف النووی الشافعی (متوفی:۶۷۶ھ) اپنی کتاب "الاذکار" میں فرماتے ہیں:

"أجمع العلماء على أن الدعاء للاموات ينفعهم و يصلهم ثوابه"

یعنی علمائے اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ مردوں کے لیے دعا کرنا، ان کے لیے نفع بخش ہے اور اس کا ثواب انہیں پہنچتا ہے۔

[الاذکار للنووی، باب ما ینفع المیت من قول غیرہ، ج:۱،ص:۱٦٤، دار الفکر بیروت]

نیز امام نووی رحمہ اللہ تعالی اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

"يصله ثواب الدعاء و ثواب الصدقة بالاجماع."

یعنی میت کو دعا و صدقہ کا ثواب پہنچتا ہے، اس پر فقہا کا اجماع ہے۔

[فتاوی الامام النووی، ص:۱٦٥]

امام جلال الدین سیوطی شافعی (متوفی:۹۱۱ھ) اپنی شہرہ آفاق تصنیف "شرح الصدور" میں تحریر فرماتے ہیں:

"وقد نقل غير واحد الإجماع على أن الدعاء ينفع الميت."

یعنی بہت سے علما نے اس بات پر اجماع نقل فرمایا ہے کہ دعا سے میت کو نفع پہنچتا ہے۔

["شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور" ج:۱،ص:۲۹۷، دار المعرفۃ لبنان]

اسی کتاب میں دوسرے مقام پر ہے:

"أن المسلمين ما زالوا في كل عصر يجتمعون ويقرؤون لموتاهم من غير نكير فكان ذلك إجماعا."

یعنی بلا نکیر مسلمان ہر زمانے میں جمع ہو کر اپنے مردوں کے لیے دعا و تلاوت کرتے رہے ہیں، تو یہ اس کے جواز پر اجماع ہوا۔

["أیضا" ج:۱،ص:۳۰۲، دار المعرفۃ لبنان]

امام ملا علی قاری ''شرح فقہ اکبر'' میں شارحِ عقیدۂ طحاوی کا قول نقل فرماتے ہیں:

"قال شارح عقيدة الطحاوي: اتفق أهل السنة على أن الاموات ينتفعون من سعي الأحياء."

یعنی اہلِ سنت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ زندوں کے عمل وسعی سے مردوں کو نفع پہنچتا ہے۔

["منح الروض الازهر فی شرح الفقه الاكبر"، الدعاء للميت ينفع خلا فاللمعتزلة،
ص:۳۷۳، ملخصا، دارالبشائرالاسلامي، بیروت۔]

شارحِ بخاری امام شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی مصری (متوفی: ۹۲۳ھ) ''مواہب لدنیہ'' میں شیخ شمس الدین عسقلانی کا قول نقل فرماتے ہیں:

"و ذكر الشيخ شمس الدين القطان العسقلاني: أن وصول ثواب القراءة إلى الميت من قريب أو أجنبي هو الصحيح، كما تنفعه الصدقة و الدعاء و الاستغفار بالإجماع."

[المواهب اللدنيه بالمنح المحمديه، ج:۲، ص:۴۲۲، المكتبة التوفيقيه، قاهره مصر]

علامہ دمشقی **"رحمة الأمة في اختلاف الأئمة"** میں فرماتے ہیں:

"و أجمعوا على أن الاستغفار و الصدقة و الحج و العتق تنفع الميت و يصل إليه ثوابه."

[رحمۃ الأمہ، مصری، ص:۱۰۲، بحوالہ فتاوی اجملیہ، کتاب الجنائز، باب الصدقات للمیت، ج:۲، ص:۵۷۸۔]

قاضی ثناء اللہ پانی پتی ''تذکرۃ الموتی'' میں لکھتے ہیں:

"حافظ شمس الدین ابن عبد الواحد گفتہ از قدیم در ہر شہر مسلمانان جمع می شوند و برائے اموات قرآن می خوانند پس اجماع شدہ۔"

[تذکرۃ الموتی، ص:۳۶، بحوالہ فتاوی اجملیہ، کتاب الجنائز، باب الصدقات للمیت، ج:۲، ص:۵۷۹۔]

علامہ اسماعیل حقی حنفی (متوفی:۱۱۲۷ھ) ''تفسیر روح البیان'' میں شیخ تقی الدین ابو العباس کا قول نقل فرماتے ہیں:

"قال الشيخ تقي الدين ابو العباس: من أعتقد أن الإنسان لا ينتفع إلا بعمله فقد خرق الإجماع."

[تفسیر روح البیان، سورۃ النجم، ج:۹، ص:۲۴۸، دار الفکر بیروت]

مذکورہ بالا سطور میں ایصالِ ثواب کے جواز واستحسان پر قرآنی آیات، احادیث مبارکہ، تصریحاتِ فقہا اور نقولِ اجماع پیش کی گئیں ہیں؛ جن سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ ایصالِ ثواب، نہ صرف جائز و مستحسن ہے بلکہ اس کے جواز و استحسان پر اہلِ سنت و جماعت کا اجماع بھی ہے۔ اور چوں کہ ''گیارہویں شریف'' بھی اسی ایصالِ ثواب کی ایک قسم و فرد ہے، تو ان دلائل سے اس کا جواز و استحسان بھی ثابت ہوا کہ مطلق کا جواز ثابت ہونے کے بعد، افراد و اقسام کا جواز خود ہی ثابت ہو جاتا ہے۔ جب تک افراد و اقسام میں شرعاً کوئی قباحت یا ممانعت ثابت نہ ہو، انہیں ناجائز نہیں کہہ سکتے۔ اور یہاں ''گیارہویں شریف'' کے عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں۔ نہ تو قرآن مجید میں اس کی ممانعت ہے نہ حدیث پاک میں، نہ تو اس سے متعلق کوئی اجماع ہے نہ قیاسِ مجتہد۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ ایصالِ ثواب کے جواز و استحسان سے ''گیارہویں شریف'' کا جواز و استحسان بھی ثابت ہے۔

(جاری.......)

فتنوں کا سدباب:

اسلام اور تصور جہاد

مولانا محمد شاہنواز رضا برکاتی سنبھل

☆☆☆

ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک دشمنان اسلام اس دین متین کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، اور اپنے ہدف کو حاصل کرنے کے لیے شعائر اسلام کو نشانہ بنا کر، ان پر اعتراضات قائم کر کے طنز کستے ہیں، حالانکہ اگر انصاف کا عینک لگا کر دیکھا جائے، تو سارے اعتراضات مکڑی کے جالے سے بھی کمزور نظر آتے ہیں۔ مثلا: جب قرآن کا نزول ہوا تو کفار ومشرکین نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ محمد ﷺ کا کلام ہے، تو اللہ تعالی نے چیلنج فرمایا:

﴿فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ ۝۳۴﴾

[الطور ۳۴]

تو اس جیسی ایک بات تو لے آئیں اگر سچے ہیں۔

[ت، کنزالایمان]

تاریخ شاہد ہے کہ کفار ناہنجار مکمل قرآن جیسی کتاب تو کیا لاتے ایک آیت بھی قرآن کے مثل لانے سے عاجز رہے۔

اسی طرح اس پرفتن دور میں مختلف شکوک قائم کر کے اسلام کو داغدار بنانے کی ناکام کوششیں کی جا رہی ہیں، انھی کوششوں میں سے ایک جہاد کو دہشت گردی اور بربریت سے تعبیر کرنا ہے، جیسا کہ خبیث النفس اور عقل کے کورے وسیم رافضی نے قرآن مجید سے ان تمام آیات کو جن میں جہاد کا بیان ہے خارج کرنے کے لیے عدالت عظمی (supreme court) میں عرضی پیش کی تھی، لہٰذا ہم جہاد کا لغوی، واصطلاحی معنی، اور اس کا صحیح مفہوم آپ کے گوش گزار کرنا چاہتے ہیں، اللہ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ احقاق حق وابطال باطل کی توفیق عطا فرمائے۔

جہاد کا لغوی معنی

جہاد جد « بالضم یا بالفتح سے ماخوذ ہے، جھد بالضم کا معنی ہے: کوشش اور طاقت۔

اور جھد بالفتح کا معنی ہے: مبالغہ اور غایت، اسی معنی کے لحاظ سے قرآن مجید میں ہے: ''جھد ایمانھم'' یعنی ان لوگوں نے قسم میں حد درجہ کوشش کی۔

[لسان العرب، ج:1 ص:477، دار صادر بیروت لبنان]

جہاد کا لغوی معنی جاننے کے بعد یہ بات خوب واضح ہوگئی کہ اگر کوئی تحصیل رزق کے لیے محنت، یا طلب علم کے لیے اپنی توانائیاں صرف کرتا ہے، تو اس کے اس کام کو بھی جہاد کہا جائے گا؛ کیوں کہ جہاد کا معنی قتل وغارت گری نہیں بلکہ کوشش کرنا ہے۔

جہاد کا اصطلاحی معنی

اللہ کی راہ میں جنگ کرنے کے لیے جان، مال، اور زبان وغیرہ کے ساتھ مکمل توانائیاں صرف کرنا،

[بدائع الصنائع، کتاب السیر ج:9 ص:4299]۔

معلوم ہوا کہ اصطلاح شرع میں **اعلاء کلمۃ اللّٰہ** یعنی اللہ کے دین کی سربلندی، اور اس کے نفاذ کے لیے کفار ومشرکین سے جنگ میں پوری طاقت، وقوت اور وسعت کو کام میں لانا جہاد کہلاتا ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ کا پس منظر

جب سرکار مدینہ راحت قلب وسینہ جناب محمد رسول اللہ علیہ التحیۃ والثنا نے اعلان نبوت فرمایا، تو مشرکین مکہ آپ کے جانی دشمن بن کر آپ کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچانے لگے، جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ایک دن سرکار مدنی ﷺ تاجدار کعبہ معظّمہ میں نماز ادا فرما رہے تھے، قریش کے کچھ لوگ وہیں ارد گرد موجود تھے، اتنے میں عقبہ بن ابی معیط اونٹ کی اوجھڑی لایا، اور سرکار جب سجدے میں تشریف لے گئے تو آپ کی پیٹھ پر ڈال دی، اس وجہ سے سرکار دوعالم ﷺ نے اپنا سر نہیں اٹھایا، پھر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنھا آئیں اور گندگی کو پیٹھ مبارک سے ہٹایا، اور جس نے ایسا کیا تھا اسے بددعا دی۔

[صحیح بخاری، حدیث نمبر: 2934، ملخصا]

اسی طرح کفار مکہ نے آپ کے جاں نثاروں کو بھی ظلم وستم کا نشانہ بنا کر اسلام اور بانئ اسلام سے بیزار کرنے کی کوشش کی، چنانچہ مسند احمد بن حنبل میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: مشرکین مکہ نے حضرت عمار بن یاسر مع آپ کے والدین، حضرت بلال حبشی، صہیب بن سنان رومی، اور حضرت مقداد بن عمرو کندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کو لوہے کی زرہیں پہنا کر تپتی ہوئی دھوپ میں لٹایا، تا کہ ان حضرات کے اجسام مبارکہ پگھل جائیں۔

[مسند احمد بن حنبل حدیث نمبر: 364، ملخصا]

اس طرح کے اور بھی بے شمار واقعات ہیں، جن کو بیان کرتے ہوئے زبان لڑکھڑاتی ہے، اور کلیجہ منہ کو آتا ہے، لیکن پیغمبر اسلام نے اپنے چاہنے والوں کو ہمیشہ صبر کی تلقین فرمائی، اور لڑنے جھگڑنے سے باز رکھا، یہاں تک کہ مشرکین مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر بعثت کے تیرہویں سال بانئ اسلام وطن عزیز مکہ مکرمہ کو الوداع کہ کر اپنے شیدائیوں کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے، لیکن خدا کے دشمن یہاں بھی اپنی نازیبا حرکتوں سے باز نہ آئے، تو مسلمانوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بذریعۂ وحی جہاد کی اجازت مرحمت فرمائی، اور ارشاد فرمایا:

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ﴿۳۹﴾

[الحج ۳۹]

اجازت عطا ہوئی انہیں جن سے کافر لڑتے ہیں، اس بنا پر کہ ان پر ظلم ہوا، بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے

[ت، کنز الایمان]

مذکورہ آیت مبارکہ کا شان نزول بیان کرتے ہوئے صدر الافاضل فخر الاماثل سید نعیم الدین مراد آبادی خزائن العرفان میں فرماتے ہیں: کفار مکہ اصحاب رسول – ﷺ – کو روز مرہ ہاتھ اور زبان سے شدید ایذائیں دیتے، اور آزار پہنچاتے رہتے تھے، اور صحابہ حضور کے پاس اس حال میں پہنچتے کہ کسی کا سر پھٹا ہے، کسی کا ہاتھ ٹوٹا ہے، کسی کا پاؤں بندھا ہوا ہے، روز مرہ اس قسم کی شکایتیں بارگاہ اقدس میں پہنچتی تھیں، اور صحابہ کرام کفار کے مظالم کی حضور کے دربار میں فریادیں کرتے، اور حضور یہ فرما دیتے کہ صبر کرو مجھے ابھی جہاد کا حکم نہیں دیا گیا ہے، ہجرت کے بعد مذکورہ آیت کریمہ نازل ہوئی، اور یہ وہ پہلی آیت ہے جس میں کفار کے ساتھ جنگ کرنے کی اجازت دی گئی۔

اس طرح کا مضمون تفسیر کبیر میں بھی ہے۔

[جز: 24، ص: 39]

نوٹ: مذکورہ آیت کریمہ کے نزول سے پہلے 70 سے زائد آیات میں جہاد سے منع فرمایا گیا تھا۔

اب آپ خود غور کریں، کہ جن نفوس قدسیہ نے سالہا سال ظلم وتشدد برداشت کرنے کے بعد، محض اپنے دفاع کے

لیے تلوار اٹھائی، اگر انہیں کو ظالم اور دہشت گرد کہا جائے تو کہاں کا انصاف ہے۔

گزشتہ سطور سے یہ بات آپ کے حاشیۂ ذہن میں اچھی طرح پیوست ہوگئی ہوگی کہ مسلمانوں کو جہاد کا حکم اپنے دفاع کے لیے دیا گیا تھا، نہ کہ بلا وجہ لوٹ مار کرنے کے لیے، اسی سے ان سبھی آیات کا بھی مطلب واضح ہوگیا جن میں جہاد کا بیان ہے، لہذا یہ کہنا کہ جہاد والی آیات دہشت گردی، اور بربریت کی تعلیم دیتی ہیں نری جہالت ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

سورۂ توبہ کی آیت کریمہ ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾

[التوبۃ ۵]

(ت: تو مشرکوں کو مارو جہاں پاؤ) کے ظاہر سے یہ وہم ہوتا ہے، کہ معاذ اللہ خداوندِ قدوس نے مسلمانوں کو بلا وجہ تمام کفار، مشرکین کے قتل کا حکم دیا ہے، لیکن مذکورہ آیت کریمہ کا پس منظر، اور اس کی تفاسیر کا مطالعہ کرنے کے بعد اس وہم فاسد کا محل بھی ملیامیٹ ہوجاتا ہے۔

آیت مبارکہ کا پس منظر یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے کچھ فاصلے پر حدیبیہ نام کا ایک کنواں ہے، وہاں ٦ ھ میں مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے مابین ایک صلح نامہ تیار ہوا، جو صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے، لیکن مشرکین ایفائے عہد نہ کرسکے، اور صلح نامے کی دفعات کو پس پشت ڈال دیا، پس اللہ تعالی نے عہد شکنی کرنے والے مشرکین کی سرزنش فرمانے کے لیے وحی نازل فرمائی: {فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ} معلوم ہوا آیت مبارکہ میں مشرکین سے مراد عام مشرکین نہیں، بلکہ وہ ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ کی عہد شکنی کی تھی۔

چنانچہ اس آیت کریمہ کے تحت خزائن العرفان میں ہے ''جنہوں نے عہد شکنی کی'' یعنی آیت کریمہ میں مشرکین سے مراد عام مشرکین نہیں، بلکہ وہ ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ کی عہد شکنی کی تھی۔

نیز تفسیر کشاف لزمخشری میں ہے: **فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ يعني الذين نقضوكم وظاهروا عليكم حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ"**

ت: ان مشرکین کو جنہوں نے تمہارے ساتھ عہد شکنی کی، اور تمہارے خلاف کسی کو مدد دی جہاں پاؤ مار ڈالو، تفسیر نسفی میں بھی بعینہ یہی الفاظ موجود ہیں۔

اور تفسیر بیضاوی میں ہے: ''**فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ الناكثين حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ**'' ت: جن مشرکین نے عہد شکنی ان کو جہان پاؤ مار ڈالو۔

روح المعانی میں بھی اسی طرح کا مفہوم موجود ہے۔

[جز:10 ص:5]

صرف اسی پر بس نہیں بلکہ مذکورہ بالا آیت کریمہ سے ماقبل والی آیت سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے، کہ نحن فیھا آیت کریمہ سے تمام کفار و مشرکین مراد نہیں بلکہ وہ خاص مشرکین ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ کی مخالفت کی، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ۝۴

[التوبۃ ٤]

مگر وہ لوگ جن سے تمہارا معاہدہ تھا، پھر انہوں نے تمہارے عہد میں کچھ کمی نہ کی، اور تمہارے مقابل کسی کو مدد نہ دی، تو ان کا عہد ٹھری ہوئی مدت تک پورا کرو، بیشک اللہ پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے۔

[ت، کنز الایمان]

نیز اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۝۱۹۰

[البقرۃ ۱۹۰]

اور اللہ کی راہ میں لڑو ان سے جو تم سے لڑتے ہیں، اور حد سے نہ بڑھو، اللہ پسند نہیں دکھتا حد سے بڑھنے والوں کو

[ت، کنز الایمان]

الزامی جواب

اس قدر سے جہاد فی سبیل اللہ پر وارد ہونے والے تمام شکوک وشبہات دور ہو گئے، لیکن چونکہ ہمارے وطن عزیز میں ہندوؤں کی کثرت ہے، اور یہ لوگ وقتاً فوقتاً جہاد فی سبیل اللہ کو لے کر ملک میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، اس لیے ان کو ایک الزامی جواب دینا ضروری سمجھتا ہوں، جس کی تقریر یہ ہے:

اسلام کی سربلندی کے لیے جو جنگ لڑی جاتی ہے اس کو ہم جہاد کہتے ہیں، اور ہندو اپنے مذہب کی خاطر کی جانے والی جنگ کو دھرم یدھ کہتے ہیں، لہٰذا دونوں کے مقصد میں اشتراک ہے، یعنی اپنے مذہب کی سربلندی، اس کے باوجود اگر کوئی ہندو مذہب کا ماننے والا جہاد کو دہشت گردی بتائے تو یا تو وہ اپنے ہی مذہب سے ناآشنا ہے، یا پھر اسلام کا عناد اس نے اپنے دل میں پال رکھا ہے، اگر اسلام کا عناد اس کے دل میں گھر کر گیا ہے، تو پھر اس کا کوئی علاج نہیں، ہاں! اگر وہ مذہبی جہالت کا شکار ہے تو اس کو دور کیے دیتے ہیں۔

توجہ فرمائیں! مہا بھارت ہندوؤں کے یہاں ایک مشہور داستان ہے، اور کوروؤں و پانڈوؤں کے مابین ہونے والی جنگ اس کا اہم حصہ ہے، کوروؤں اور پانڈوؤں میں جو کہ آپس میں رشتے دار تھے، ایک سیاسی مدعے کو لے کر انتشار ہوا، اور بات جنگ تک آپہنچی، جب فریقین میدان جنگ میں جمع ہوئے، تو پانڈوؤں کے ہیرو ارجن نے مخالف فوج کا معائنہ کیا، اور فوج میں اپنے ہی قریبی لوگوں کو دیکھ کر جنگ کا ارادہ منقطع کر دیا کیوں کہ وہ اپنے ہی لوگوں سے جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا، لیکن ہندوؤں کے بھگوان شری کرشن (یہ وہی شری کرشن جی ہیں جنھوں نے ایک ہی نیک گھڑی میں 16 ہزار لڑکیوں سے ایک ساتھ شادی کی تھی۔

اسلام اور ہندو دھرم کا تقابلی مطالعہ، ج:2 ص:590)

نے اس کو سمجھا بجھا کر جنگ پر آمادہ کر لیا، (بھگوت گیتا کرشن کے انہی اقوال کا مجموعہ ہے) اس میں قابل غور بات یہ ہے، کہ ارجن جنگ کرنا نہیں چاہتا تھا، مگر شری کرشن کے اکسانے پر تیار ہو گیا، جس کے نتیجے میں ہزاروں جانیں ضائع ہوئیں۔

اب میں ہندو مذہب کے ماننے والوں سے سوال کرتا ہوں، کہ کیا آپ اپنے بھگوان شری کرشن کو بھی دہشت گرد اور بربریت کا معلم کہیں گے؛ کیوں کہ انہوں نے ارجن کو جنگ پر اکسایا تھا، اگر ہاں تو پھر اس ناپاک مذہب سے توبہ کر کے دامن اسلام میں آجائیں، اور اگر نہیں تو پھر ہوش کی پیو اور اسلام پر انگشت نمائی کرنا بند کر دو۔

اور صرف یہی نہیں بلکہ آج بھی ہندوستان میں بالخصوص، اور دنیا کے دیگر ممالک میں بالعموم مثلاً: فلسطین، سیریا وغیرہ میں مسلمانوں پر ظلم ہوتے رہتے ہیں، ان مظالم کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھاتا، سب کی انسانیت مرجاتی ہے، بلکہ الٹا مسلمانوں کو ہی دہشت گرد کہا جاتا ہے۔

آپ ہی اپنے ذرا جور و ستم کو دیکھیں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

امید کرتا ہو کہ آپ جہاد فی سبیل اللہ کا صحیح مفہوم سمجھ گئے ہوں گے، اللہ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ہمیں عقل سلیم عطا فرمائے، اور دشمنان اسلام کے شر سے محفوظ فرمائے، آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

حالاتِ حاضرہ:

دینی جلسوں میں اصلاحی مقاصد کا فقدان: لمحۂ فکریہ

از: مولانا محمد شمس تبریز قادری علیمی ارریہ

☆☆☆

مذہبِ اسلام ایک ہمہ گیر دین اور ضابطہ حیات ہے۔اس کی تعلیمات وہدایات کا دائرہ زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے۔اس لیے مذہب وروحانیت کے علاوہ اخلاق وکردار ، معشیت و معاشرت، سیاست وحکومت،تہذیب وثقافت اور علم وفن کے تمام شعبے بھی اسی دائرے میں آتے ہیں۔اسلام ایک نظریہ حیات کے ساتھ ساتھ ایک نظام زندگی بھی ہے۔دیگر مذاہب وملل کے برعکس اس کے احکام وفرامین صرف انسانی زندگی کے اخلاق وروحانی پہلوؤں تک ہی محدود نہیں بلکہ وہ تمام امور و معاملات میں مکمل ہدایت اور رہنمائی فراہم کرتا ہے جن کا تعلق انسان کی معاشی و معاشرتی اور سیاسی وثقافتی زندگی سے ہو۔اس لیے اسلام کی تبلیغ کے یہ معنی ہیں کہ اس کی تعلیمات وہدایات کو زندگی کے تمام شعبہ جات پر پھیلایا جائے لیکن یہ بھی ایک مسلم حقیقت ہے کہ کوئی نظریہ یا کوئی ضابطہ وعظ ونصیحت اور تقریر وخطابت کے بغیر نہیں پھیل سکتا۔

ہر دور میں انسانی رشد وہدایت کے لیے مذہبی تقریبات کا انعقاد عمل میں آتا رہا ہے۔خود زمانۂ رسالت میں ابھی انسان کی ہدایت وفلاح اور سعادت وکامیابی کے محفلوں کا انعقاد ہوتا رہا۔آج بھی یہ تقریبات کثرت سے جگہ جگہ منعقد کی جاتی ہیں۔یہاں تک کہ معمولی دیہاتوں میں بھی ان کی جھلک پوری آب وتاب کے ساتھ دیکھی جاسکتی ہے۔ان کا بنیادی مقصد امتِ مسلمہ کی رشد و ہدایت اور اصلاح اعمال ہے۔ان کے ذریعہ تاریک دلوں میں عشق وعرفان کی قندیلیں روشن کی جاتی رہیں، غافل اور خوابیدہ ذہنوں کو بیدار کیا جاتا رہا اور خشک طبیعتوں میں ایمانی جوش و حرارت پیدا کی جاتی رہی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دینی جلسوں کی بڑی شاندار تاریخ رہی ہے۔ان جلسوں کا معاشرے اور عوام دونوں کی اصلاح میں بڑا نمایاں کردار رہا ہے۔جادۂ حق سے منحرف لوگوں کو شاہراہ حق پر واپس لانے ،ضلالت وگمراہی، فسق وفجور اور بدعملی کی زندگی گزار رہے افراد کو صراط مستقیم پر لا کھڑا کرنے کا ان جلسوں نے جو کارنامہ انجام دیا ہے اسے بھلا کیسے بھلایا جاسکتا ہے۔ہمارے علماء واسلاف جو علم وعمل دونوں کا پیکر ہوا کرتے تھے انہوں نے اس باب میں ایسے نقوش چھوڑے ہیں جن سے ہماری دعوتی تاریخ کے صفحات روشن ہیں۔دینی جلسوں اور دعوتی کانفرنسوں کا سلسلہ آج بھی جاری ہے جو امت کی بیداری اور فرض شناسی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کا حوصلہ رکھنے والوں اور احقاق حق اور ابطال باطل کے جذبہ سے سرشار افراد کا وجود آج کے اس مادی دور میں از بس غنیمت ہے۔اللہ تعالیٰ ان کی نیتوں میں خلوص اور ان کی تعداد میں اضافہ فرمائے۔آمین۔

ایک عرصہ تک جلسے اپنے اس مقصد پر کاربند رہے اور بہت حد تک اس میں کامیابی بھی ملی،لیکن اسے عصر حاضر کا المیہ کہیے کہ آج جب مذہبی جلسوں کی صورت وہیئت کا جائزہ لیا جاتا ہے تو ان کی حقیقی صورت مٹی نظر آتی ہے۔ان کی حالت نہایت افسوس ناک دکھائی دیتی ہے۔آج جب مذہبی کانفرنسوں کی خستہ

حالی کے اسباب وعلل پرغور کیا جاتا ہے تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوجاتی ہے کہ اس کا ذمہ دار کوئی ایک طبقہ نہیں بلکہ مشترکہ طور پر خطباء، سامعین اور منتظمین سب ہیں۔

جلسے اور اجلاس کے تعلق سے اراکین کانفرنس کی کوتاہ اندیشی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ان کا رویہ خطرناک اور جلسوں کی ناکامی کا ذمہ دار ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اتنے سارے انتظامات اور اخراجات سے مذہبی اجلاس کے انعقاد میں ان کا مقصد اخلاص وللّٰہیت کے بجائے شہرت و ناموری اور ریا ونمو ہوسکتا ہے؟

لیکن آج کے جلسوں کی ناکامی اس بات کی روشن دلیل ہے کہ اخلاص کا ان کے اندر بہت حد تک فقدان ہوتا ہے۔ نیز مقررین کا انتخاب بھی اس کی شہادت دیتا ہے، کیوں کہ عام طور پر انہیں مقررین کو مدعو کیا جاتا ہے جو بے جا لفاظی اور تصنع سے مذہبی اجلاس کو نمائش گاہ میں تبدیل کردیتے ہیں۔ اس پر یہ کہ جلسہ کی کارروائی صبح تک چلاتے ہیں، جس کا منفی اثر یہ مرتب ہوتا ہے کہ سامعین سے فجر کی نماز ضائع ہوجاتی ہے۔

دینی جلسوں میں اصلاحی مقاصد کا فقدان اس لیے بھی ہے کہ جلسوں میں بہت سے ایسے خطباء مدعو کیے جاتے ہیں جو غیر معمولی شہرت کے حامل ہوتے ہیں اور ''جہانِ خطابت'' کے بے تاج بادشاہ کہے جاتے ہیں، جب ان کی تقریروں کا جائزہ لیا جاتا ہے تو یہ بات آفتابِ نیم روز سے بھی زیادہ واضح ہوجاتی ہے کہ تقریریں اصلاح معاشرہ ،تعلیم امت، دینی دعوت کی تذکیر اور خوف وخشیت خداوندی کی تلقین سے یکسر خالی ہوتی ہیں۔

دینی امور ہوں یا دنیوی معاملات کسی خاص مقصد کے تحت ہی انجام دیئے جاتے ہیں۔ جلسوں کا جامع مقصد تبلیغ دین اور اصلاح وغیرہ ہی ہے چاہے آپ انہیں جن الفاظ سے تعبیر کریں۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایک جلسے سے دین کی مکمل تبلیغ اور معاشرے کی تمام خرابیوں کی اصلاح ممکن نہیں۔ اس لیے چند اہم اور ضروری امور کو مدنظر رکھیں۔ مثلاً شادی بیاہ کی فضول رسموں کا خاتمہ، جہیز کی روک تھام، نظافت وصفائی، اقامت صلوٰۃ، پھر دیکھنا چاہیے کہ جلسے سے متوقع اصلاح ہوئی یا ہورہی ہے یا نہیں؟ بعض جلسوں کے منتظمین کے اقوال واعمال وتصرفات بول رہے ہوتے ہیں کہ یا تو انہیں جلسے کے مقصد کا ہی پتہ نہیں، یا اگر پتہ ہے تو مقصد وہ نہیں جو عام طور سے سمجھا جاتا ہے بلکہ کچھ اور ہے۔

مشاہدات بتارہے ہیں کہ بہار وبنگال کے علاقوں میں اکثر جلسے مدارس کے چندے کے لیے ہوتے ہیں۔ جلسے کے مقررین اپنی تقریروں سے اسی جلسے میں عوام سے مدرسے کے لیے پیسے نکلواتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ جو مقرر اپنی چرب بیانی اور طلاقت لسانی کے بل پر جتنا زیادہ پیسہ مدرسہ کی جھولی میں گروادے اتنا ہی وہ کامیاب ہے۔ مقصد کے ادراک سے غافل صرف منتظمین اور مقررین ہی نہیں ہوتے بلکہ سامعین با تمکین بھی ہوتے ہیں۔ وہ جلسوں کے بعد مقررین کو نمبر دیتے ہیں۔ فلاں کی تقریر ایک نمبر کی رہی اور فلاں کی؟ انھیں اس سے مطلب نہیں ہوتا کہ کس نے کیا کہا؟ کس نے دلائل کی روشنی میں بات کی اور کس نے ہوائی فائرنگ کی۔ وہ مقرر کی اچھل کود، ایکٹنگ، لفاظی اور بے سروپیر کے قصے کہانی پر نمبر دیتے چلے جاتے ہیں۔ آج کل ایسے خطباء کی ڈیمانڈ بہت زیادہ ہے جو من گھڑت، بے تکی، جاہلانہ کامیڈی سنانے کا ہنر رکھتے ہیں۔ ہنسنے ،ہنسانے والے مقررین وشعراء کو ''سکّۂ رائج الوقت اور انٹرنیشنل ''خطبا،شعرا'' کے القاب سے نوازا جاتا ہے اکثر و بیشتر موجودہ جلسوں کی حالتیں اس قدر ناگفتہ بہ ہیں کہ جس میں اہلِ علم وبصیرت حضرات شرکت کرنے سے سخت اجتناب کرتے ہیں۔ راقم کی طبیعت بھی اس طرف مائل نہیں ہوتی۔ ایک جگہ عرس مقدس میں شرکت کا موقع نصیب ہوا، جس عظیم الشان کانفرنس کا انعقاد کیا گیا تھا جس میں دور دراز کے مشہور ومعروف خطبا، شعرا مدعو تھے۔

راقم بھی احباب کے ساتھ اسٹیج پر گیا اسی امید کے ساتھ کہ

خطباء وقت کی نصیحت آمیز باتوں سے مستفید ہوسکوں۔نقیبِ اجلاس نے بہت سارے موضوع القاب کے ذریعے خطیبِ شب کوسامعین وسامعات کے روبروکیا۔شب تقریباً اپنی نصف منزل طے کرنے ہی والی تھی۔ سیمانچل، بہار دیہی علاقہ کے محنت وجفاکش، ایماندارسنی سادہ لوح مسلمانوں کا ٹھاٹھیں مارتا مجمع اس امید پراپنی دن بھرکی تکان بھلاکر، نیندقربان کررہاتھا کہ خطیب اعظم کی زبان سے نکلے ہوئے بیش بہا گوہر آبدارسے دامن مرادبھرلوں گا۔مگرہائے افسوس۔۔۔۔!

خطیب جھنکار، واعظ گرج دار جیسے ہی مائک پر آئے ،اپنے مخصوص لب لہجہ میں سامعین سے مخاطب ہوئے اور پھر کیاتھا،آوازوں کی گرج،مثل برقِ طپاں انداز بیاں، ساؤنڈ کی کڑک، لباس کی بھڑک دیکھ کر سامع کادل گیا دھڑک ،تقریباً ڈیڑھ ؍دوگھنٹے کے ظریفانہ اسلوب،طنزومزاح سے پُرمزاحیہ خطابت ہوتی رہی ہے۔آغاز گفتگوکودیکھتے ہی اہل فکرونظرنے اسٹیج کوالوداع کہہ دیا۔اور تھکے ماندے سامعین بھی محفل چھوڑنے پرمجبور ہوگئے۔آج کے اکثر جلسوں کے حالات اسی طرح کے ہیں ۔سیرت النبی ﷺ کا جلسہ ہو یا جشنِ خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین یافیضانِ اولیاء کانفرنس چاہے جس نام سے بھی موسوم ہومگرخطاب اس کے برعکس ہی سننے کو ملتاہے۔اتفاق سے اگرکسی پیرصاحب کی شرکت ہوگئی تو پھرمکمل کانفرنس ان کی نذر ہوجاتی ہے۔اوران کی کرامات بیان کرنے پر ہی شعراء،خطباء اپنی مکمل کاوش صرف کرنے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں۔نعت ومنقبت کے نام پر پیر صاحب کی تعریفات میں شب گزرجاتی ہےاورایساہوبھی کیوں نہ؟

کیونکہ آج کے اکثرجلسوں میں اگرکوئی آقائے کریم ﷺ کی نعت پاک ،یاصحابہ واغواث کی شان اقدس میں اکابرین صوفیاءومشائخ کاتحریرکردہ کلام پڑھ دےتو سامعین اوراہل اسٹیج کی جانب سے حوصلہ افزائی کےایک بھی جملے سننے کونہیں ملتےلیکن اس کے برعکس ہوتو ہرچہارجانب سے نعرےاورداد و تحسین کی صدائیں گونج اٹھتی ہیں۔

اکثر جلسوں کی بے مقصدیت کا حال یہ ہوتا ہے کہ تیاریاں ہورہی ہیں، رضا کار دوڑ دھوپ کررہے ہیں(وہ رضا کارجن میں سے اکثرچہرے مہرے سےبھی مسلمان نہیں معلوم ہوتے) کھانا پک رہاہے،شامیانہ لگ رہاہے،مہمانوں کی آمد آمد ہے۔مگرقریب میں مسجد ہوتی ہے،اذان،نماز ہوتی ہے،مگر دین کے یہ سپاہی تن من دھن سے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں،اکادکا جوپہلے سے نماز کے پابند ہوتے ہیں ان کے علاوہ باقی سب''دین کے کام''میں مشغول رہتے ہیں۔بتایاجاتاہے کہ کسی وقت میں جب ٹی وی اورموبائل کاچلن زیادہ نہیں تھااور سینمابینی کےبعض لوگ عادی ہوتے تھےاس وقت جلسوں کے اس قسم کے رضا کارجلسے کی رات''دینی کاموں''سے فارغ ہوکر اس شوق کی تکمیل میں مشغول ہوجایاکرتے تھے۔

محفل وعظ تو تا دیر رہے گی قائم
یہ ہے مے خانہ ابھی پی کے چلے آتے ہیں

بہرحال جلسے کے انعقادسےقبل منتظمین کوچاہیےکہ جلسے کے اہداف ومقاصد طے کریں اوراپناٹارگیٹ متعین کرلیں۔ان ہی مقاصد کےحصول کے لیےان کی جدوجہد ہو،اور بعداز جلسہ جائزہ لیں کہ کیاکھویاکیاپایا۔اسی تناظر میں جلسے کی کامیابی یا ناکامی کاحکم لگایاجائے۔کسی جلسے کی کامیابی یہ نہیں ہے کہ وہ دیر رات تک چلا، یااس میں فلاں مشہورمقرر کی شرکت اورتقریر ہوئی، یاسامعین کی تعداد بہت زیادہ تھی، یااس کانظم ونسق بہت اچھاتھا، وغیرہ وغیرہ۔بلکہ جلسہ کی حقیقی کامیابی یہ ہے کہ وہ عوام کے قلوب واذہان کوجھنجھوڑنے میں کتنا کامیاب رہا۔اس سے معاشرہ کی کیااصلاح ہوئی، کس بُرائی کااس سے خاتمہ ہوا،کس اچھائی کےفروغ کاسبب بنا۔

یہ وہ حقائق ہیں جن کی وجہ سے مذہبی جلسوں کےانعقادکااصلی مقصدفوت ہوتا ہوانظرآتاہے،اس کے ذریعہ نہ تولوگوں کے اندرجذبہ عمل پیداہوتاہےاورنہ ہی خوف وخشیت الٰہی ۔دینی

محفلوں کی ناکامی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اکثر مقررین کوئی پائیدار اور مؤثر خطاب کرتے ہی نہیں صرف قصے اور کہانیوں میں وقت ضائع کرتے ہیں۔اور عقائد واعمال کی دعوت دینے کے بجائے اپنی ہی جماعت کی قدآور، گرانقدر اور معظم شخصیتوں کو طعن وتشنیع کے تیر سے گھائل کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ایسی صورت میں دینی جلسوں کی تقریری کوششیں سادہ لوح سنی مسلمانوں کے اندر مؤثر نہیں ہو رہی ہیں تو اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کہ معاندین ومخالفین اسلام کے اندر کیسے اثر انداز ہوسکتی ہیں،اور لوگ اسلام وایمان اور اس پر عمل کی جانب کیسے مائل ہوں گے۔

دینی جلسوں کو کامیاب بنانے کے لیے ہمارے بیدار مغز اور اہلِ فکر ونظر علمائے کرام کو توجہ دینی چاہیے، منتظمین جلسہ سے راقم کی درخواست ہے کہ اپنے جلسوں میں ایسے خطباء کو مدعو کریں جو علمی اور عملی دونوں خوبیوں سے مزین ہوں، مخلص اور بے لوث ہوں،قوم وملت کے بہی خواہ ہوں ،مؤثر شخصیت کے حامل ہوں ، پیشہ ور اور دنیا دار خطیبوں کو ہرگز دعوت نہ دی جائے اگر چہ وہ شہرت کی بلندیوں کو چھو رہے ہوں، کیوں کہ ایسے لوگ خود غرض اور مفاد پرست ہوتے ہیں۔قوم وملت کا درد ان کے دلوں میں نہیں ہوتا ہے۔

لہٰذا ان سے اصلاحی مقاصد اور دعوت وتبلیغ کی توقع فضول ہے واللہ المستعان والموفق الی الصراط المستقیم۔

stabrezalimi786@gmail.com

آئینۂ ایام: **قسطِ اول**
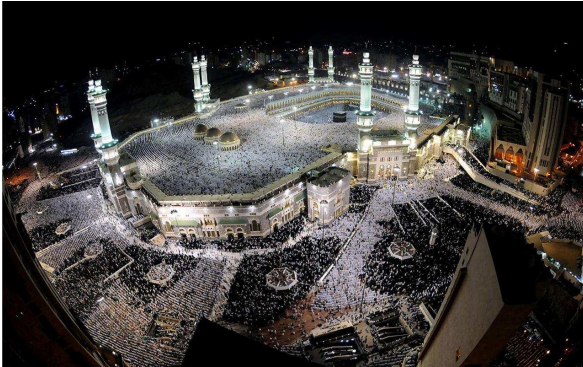
علمِ طب میں مسلمانوں کے کارنامے

از: محمد فیضان رضا علیمی ،رضا باغ گنگٹی

☆☆☆

اسلامی تہذیب وثقافت میں طب کی بڑی اہمیت ہے کہ اس کے ذریعہ سے انسانی صحت کا توازن برقرار رہتا ہے۔ اسلام میں حفظانِ صحت اور صفائی کے کئی بنیادی اصولوں پر بطور خاص توجہ دی گئی ہے۔ خود حضور رسولِ اکرم ﷺ نے اس کی تعلیمات دی ہے۔ پیارے کریم آقا علیہ السلام نے جہاں انسانوں کے ایمان وعقائد کو کفر کے دلدل سے نکال کر ایمان کی جلا بخشی ہے وہیں ایک طبیبِ حاذق کے طور پر کچھ خاص امراض کے علاج کے لیے آپ نے دوائیں بھی تجویز فرمائی ہیں۔ چناں چہ بخاری شریف میں ہے کلونجی کے فوائد واہمیت کو بتاتے ہوئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ''یہ کالا دانہ بجز (سوائے) موت کے ہر مرض کا علاج ہے، پیٹ کے درد سے نجات حاصل کرنے کے لیے آپ نے شہد استعمال کرنے کا حکم فرمایا، جسمانی توازن برقرار رکھنے کے لیے آپ نے ''اونٹ کا دودھ پینے'' کا نسخہ تجویز فرمایا، دل کی طاقت کو برقرار رکھنے اور رنج وغم کے باعث ہونے والی کمزوری کو دور کرنے کے لیے'' تلبینہ'' کے استعمال کی اجازت مرحمت فرمائی اور بیشتر بیماریوں سے نجات حاصل کرنے کے آپ نے'' پرہیزی اختیار کرنے'' کا حکم ارشاد فرمایا۔

جس تیز رفتاری کے ساتھ مسلمانوں نے دوسرے علوم وفنون کو بام عروج پر پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھا یوں ہی مسلمانوں نے علمِ طب کو بھی ترقی وعروج کی راہ تک پہنچانے میں اہم رول ادا کیا ہے، حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں بڑے بڑے طبیب موجود تھے جو لوگوں کو طبی تعلیم دیتے تھے۔ حارث بن کلدہ ثقفی عرب کے بڑے بڑے طبیبوں میں سے تھا اگر چہ وہ پیارے آقا کا گستاخ تھا لیکن علم طب میں اس کی مہارت اور قابلیت کو دیکھ نبیِ کریم ﷺ بھی اس کے پاس علاج کے لیے لوگوں کو بھیجتے تھے۔

اسلام میں طب کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اسلامی نظام حکومت کے ابتدائی عہد میں، جب کہ اسلامی حکومت کا کوئی محکمہ اور دفتر نہیں تھا، مسجد نبوی کے صحن میں ایک شفاخانہ موجود تھا اور ایک انصاری خاتون حضرت رفیدہ رضی اللہ عنہا اس شفاخانہ کی نگراں تھیں، جو بلا عوض خدمت کیا کرتی تھیں، غزوۂ خندق کے موقعہ پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے تو آپ نے فرمایا، اس کو رفیدہ کے خیمہ میں پہنچادو، حضرت رفیدہ کے تذکرہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ نبوی میں عورتیں بھی فن طب میں خاص مہارت رکھتی تھیں۔

(علوم وفنون عہد عباسی میں ص:108، العلوم العربیہ ص:302)

تاریخ الاسلام للذہبی میں حضرت عروہ بن زبیر کا قول ہے کہ "میں نے حضرت عائشہ سے بڑا طب میں کوئی عالم نہیں دیکھا" مختلف کتب حدیث میں ہے کہ حضرات صحابیات جنگوں میں زخمیوں کی مرہم پٹی کیا کرتی تھیں۔

طب میں مسلمانوں کے خدمات کا بڑے پیمانے پر آغاز دوسری صدی ہجری آٹھویں صدی عیسوی میں دورِ ترجمہ سے ہوا۔ عہد خلافت راشدہ میں جب عربوں نے بازنطینی اور

ساسانی ریاستوں پر قبضہ کیا اس وقت یونانی علوم وفنون تقریباً مردہ حالت میں ان اہلِ علم کے ہاتھوں میں تھے جو ارسطو، بقراط، جالینوس، اور ارشمیدس وغیرہ کی نقل وشرح پر اکتفا کر رہے تھے۔

اس وقت یونانی طبی روایات کے شارح کے طور پر ایطیوس، پال، الیگزینڈر، تھیوفیلوس اور پروٹوس پتھاریوس وغیرہ تھے ان سب کا تعلق چھٹی صدی عیسوی کے اواخر یا ساتویں صدی عیسوی کے اوائل سے تھا۔ اس وقت علوم فنون کے دو مراکز تھے۔(۱) ایران کا شہر جندی شاپور۔(۲) مصر کا شہر اسکندریہ

جندی شاپور:

ایران کے موجودہ شہر اہواز کے قریب واقع ہے آج اس قدیم شہر کی جگہ شاہ آباد نامی گاؤں آباد ہے۔ اس کی بنیاد دوسرے ساسانی بادشاہ شاپور اول نے رکھی تھی، وہ علم کا بڑا قدر داں تھا اور جندی شاپور کو ایک ایسا علمی مرکز بنانا چاہتا تھا جس کے آگے انطاکیہ کی عظمت مات کھا جاے۔ (انطاکیہ بازنطینی شہر تھا) لہٰذا اسی خیال سے شاپور نے جندی شاپور میں یونیورسیٹی کی بنیاد رکھی اور ایک اسپتال بھی بنوایا۔

جب بازنطینی بادشاہ جسٹینین Justinian نے ۵۲۹ء میں ایتھنیز میں فلسفہ کے مکاتب بند کر دیا تو یونانی اہل علم کی ایک بڑی تعداد ایتھنیز کو چھوڑ کر جندی شاپور آ گئے یہ ساسانی بادشاہ کسری نوشیرواں کا زمانہ تھا اس نے کھلے بازووں سے افلاطون کے فلسفہ جدید کے ان حاملین کو پناہ دی، جندی شاپور میں آباد کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی علمی وطبی تحقیقات نے اس شہر کو مرکزِ علم وفن بنا دیا۔

اسکندریہ:

دوسرا علمی وطبی مرکز مصر کے معروف شہر اسکندریہ میں تھا۔ اسلامی عہد کے آغاز تک یہاں جالینوس کی بڑی بڑی طبی تصانیف کا خلاصہ تیار کر لیا گیا تھا۔ بقراط کی طب اور فلسفے کی کتابوں کے تراجم بھی اہل اسکندریہ کر چکے تھے۔ علم الادویہ میں اہل اسکندریہ کا کوئی جواب نہیں تھا۔ یہاں کے علما دمشق میں بلوائے گئے اور ان سے کیمیا وطب کے کتابوں کا سریانی وعبرانی زبان سے عربی زبان میں ترجمہ کروایا گیا۔

جب خلیفہ دوم امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں عربوں نے روم، ایران اور مصر کے بڑے شہری علاقوں کو فتح کر لیا تو گویا یہ دونوں عصری علوم وفنون کے مراکز مسلمانوں کے پاس آ گئے، یہی دونوں مرکزوں سے مسلمانوں نے طب کی تعلیم حاصل کی اور مسلمانوں کے علم طب یہ دونوں ابتدائی مدارس کے طور پر ثابت ہوئے۔

مسلمانوں نے یونانی اور ہندی طب سے واقفیت تراجم کے ذریعے حاصل کیا۔ تراجم کا سلسلہ اموی دور میں شروع ہوا اور پہلی خانہ جنگی، دوسری خانہ جنگی، عہدِ عباسی، دورِ منصوری، خلافتِ ہارون رشید و مامون رشید سے ہوتا ہوا عصرِ متوکل پر ختم ہوا۔ تقریباً ڈیڑھ سو سال پر محیط یہ ادوار ہیں جن میں یونانی علوم کے بڑے بڑے مجلدات وتصنیفات اسلامی دنیا کو تراجم کے ذریعے میسر ہوئے۔ پھر عربوں نے ان کا مطالعہ کیا، غور وخوض کیا اور اپنی طبی وعلمی تجربات کا اضافہ کر کے تصنیفی دور کا آغاز کیا۔

جب یونانی علوم وفنون کی بڑی اور ضخیم کتابوں کا ترجمہ عربی زبان وادب میں کر لیا گیا۔

تو اب منطقی طور یہ نتیجہ اخذ کرنا آسان ہو گیا کہ زبان وادب میں سریانی کی جگہ عربی نے لے لی اور مرکزیت میں جندی شاپور اور اسکندریہ کا مقام بغداد وقرطبہ نے حاصل کر لی۔ کل تک جو ماہر اطبا عیسائی و یہودیوں کے پاس تھے اب وہ مسلمانوں کے پاس ہو گئے اور پوری دنیا میں اپنی علمیت وقابلیت کا لوہا منوانے لگے۔

ابوالحسن علی ابن سہل ربن الطری:

یہ سب سے پہلا مسلم طبیب تھا جو کئی کتابوں کا مصنف بھی تھا۔ ۱۹۳ ہجری میں مرو میں پیدا ہوا۔ پہلے عیسائی تھا بعد میں

خلیفہ متوکل کے زمانہ ۲۴۱ھ میں مسلمان ہوا۔ اس کا باپ سہل ربن الطبری فلسفہ اور طب کے بڑے عالموں میں تھا۔ ابوالحسن چار زبانوں عربی، سریانی، عبرانی اور یونانی کا ماہر تھا۔ علم طب پر اس کی کتاب ''فردوس الحکم'' جو اس کے تیس مقالات کا مجموعہ ہے۔ کتاب کا مواد زیادہ تر بقراط، جالینوس، ارسطو کے علاوہ ہندی اطبا کی طبی تحقیقات پر مبنی ہے۔

اس کی اس تصنیف کو عربی زبان میں طب کی پہلی طبع زاد کتاب ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ اس کی اس قدر تشہیر کی گئی کہ آج تک یہ موجود ہے۔ اور ۱۹۲۴ء میں برلن سے شائع بھی ہوئی تھی۔ اس کتاب میں امراض، اخواص الادویہ اور غذا کے بارے میں قابل قدر معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

اس کے بعد علم طب میں مسلمان مسلسل ارتقا کے منازل کرتے رہے۔ انھوں نے یونانی اطبا کے نظریاتی نتائج پر ناقدانہ نظر ڈالی اور کئی نظریات کو مسترد قرار دے کر ایک متبادل نظریہ قائم کیا جو کئی دفع تجربات سے صحیح ثابت ہوا۔ گو یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ مسلمانوں نے یونانی نظام طب کو من وعن قبول کرنے کے بجاے اس پر سخت ناقدانہ اور مجتہدانہ نظر ڈالا پھر طبِ اسلامی کا نظام قائم کیا۔ اس میں رازی کا نام سرفہرت لیا جاتا ہے۔

ابوبکر محمد بن زکریا رازی:

یہ ایران کے رے میں ۲۵۱ھ میں پیدا ہوا۔ بغداد میں حنین بن اسحاق کے ایک شاگرد سے طب میں تعلیم لیا، ابوالحسن علی ابن ربن الطبری سے بھی اس نے اکتساب علم کیا۔ علم طب اس نے اپنی عمر کی چوتھی دہائی (ادھیڑ عمر) میں حاصل کیا۔ کچھ عرصہ تک رے کے اسپتال کا افسرِ اعلی رہا پھر بغداد کا سینیر ڈاکٹر مقرر ہوا۔ وہ غیر معمولی کیسز کو باقاعدہ پَرکھ لیتا اور کیس کے ہر مرحلے کی اسٹڈی کرتا، بسا اوقات وہ ایسے مشکل امراض کی تشخیص کر لیتا تھا جس میں دوسرے ماہر اطبا ناکام رہتے تھے۔

وہ نفسیاتی امراض کا بھی اعلاج کرتا تھا۔ ایک سامانی امیر منصور بن نوح جب پیروں کے مفلوج ہونے کی بیماری میں مبتلا ہوا تو اس نے رازی کو ہی اعلاج کے لیے بلایا۔ رازی نے اس کا اعلاج نفسیاتی جھٹکے Psychological Shock دے کر کیا۔ جس سے منصور بالکل تندرست ہوگیا اور اپنے پیروں پر چلنے لگا۔ رازی ماہر تشریح الاعضاء Anatomist بھی تھا۔ جس پر اس کی کتاب ''المنصوری'' شاہد ہے۔ اس کتاب میں اس نے دل کی ساخت، وریدوں veins اور شریانوں Arteries کے بارے میں حیرت انگیز معلومات فراہم کرتا ہے۔

رازی نے مختلف علوم وفنون میں تقریباً ۲۰۰ کتابیں ترتیت ہیں جن میں خاص طور پر ۱۳۰ ض ضخیم اور ۲۸ مختصر کتابیں ہیں۔ رازی کی سب سے ضخیم اور علم طب میں انسائیکلو پیڈیا مانی جانی والی تصنیف ''الحاوی'' ہے۔ علم طب میں اس سے زیادہ مفصل کتاب آج تک کسی نے نہیں لکھی، اس کتاب کے لکھنے کے لیے رازی نے تقریباً ۱۵ سال صرف کیے، اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب آج تک چھپ رہی ہے۔ حیدر آباد دکن سے اس کی ۲۲ جلدی شائع ہوچکی ہے، اس میں رازی نے علم طب کے ہر مسئلے پر یونانی اور عربی اطبا کی آرا نقل کرنے کے بعد اپنی طبی تحقیق وتجربات کو بھی بطور دلائل پیش کی ہے، ایک یہودی طبیب فرج بن سالم نے اس کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا، یورپ میں خطیر رقم خرچ کر کے ۱۴۸۶ بار اس کی اشاعت کی گئی، رازی کثیر التالیفات مصنف تھا اس کی مشہور کتابوں میں ''المنصوری'' جو علم تشریح الاعضاء پر ہے۔ ''الجدری و الحصبہ'' جو چیچک اور خسرہ سے متعلق ہے، ''الطب الروحانی یا طب النفوس'' جو روح کی طب پر جس میں اس نے انسان کے نفسیاتی اور اخلاقی عوارض کا اعلاج بتایا ہے اور ''الجامع''، ''المدخل''، ''المرشد'' ''الطب الملوکی'' الکافی اور الفاخرہ وغیرہ شامل ہیں۔

رازی ہی نے خون کے خمیر میں چیچک کا سبب دریافت کیا اور البرٹ بک سے صدیوں پہلے کئی بیماریوں کے سلسلے میں جراثیم کی

پیدائش کا خدشہ ظاہر کیا ہے، سب سے پہلے رازی ہی نے الکحل کو دافع عفونت Antiseptic کے طور پر استعمال کیا اور اسی نے پارے کو سب پہلے طور سہل Purgative استعمال کیا ہے۔

رازی فلسفیانہ عقائد کا حامل تھا وہ نبوت و رسالت کا منکر تھا۔ اس حوالے سے وہ لائق تردید و تنقید ضرور ہے لیکن طب کے میدان میں اس کے قول کو قولِ فیصل کی حیثیت حاصل تھی۔ آج بھی پیرس یونیورسیٹی کی دیواروں پر دو مسلم طبیبوں کی تصویریں بطور امتیاز آویزاں کی جاتی ہے جس میں ایک ابوبکر محمد بن زکریا رازی اور دوسرے بوعلی سینا ہیں۔

علی ابن عباس:

رازی کے بعد یہ قابل ذکر طبیبوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ پیدا ہوا تو مذہباً مجوسی تھا بعد میں ایمان لایا۔ اہواز کی جاے پیدائش بتائی جاتی ہے۔ طبی علوم میں اس مشہور کتاب ''کتاب الملکی'' جسے لاطینی زبان میں Liber Regius کہتے ہیں۔

اسی کتاب کو ''الکامل الصناعۃ'' کہا جاتا ہے۔ اس کے دو حصے تھے اور دونوں دس دس جلدوں پر مشتمل تھے۔ پہلا حصہ نظریاتی طب پر اور دوسرا حصہ عملیاتی طب کا احاطہ کرتا تھا۔ لاطینی زبان میں اس کا ترجمہ ۱۱۲۷ء میں کیا گیا اور اس کا فرانسی زبان میں بھی ترجمہ ہوا۔ یہ کتاب تشریح الاعضاء کے عنوان سے تعلق رکھتی تھی۔

علی ابن عباس سب سے پہلا غذائیت داں Nutrition تھا۔ اس نے بڑی احتیاط سے رات، موسم، عمر اور عادات زندگی Life style کے مطابق غذائیں تجویز کی تھیں۔

علی ابن عباس کی تاریخ پیدائش کا تو پتہ نہیں البتہ وہ ۳۸۴ھ/ ۹۹۴ء میں یورپ میں موت پایا۔ اس کو قرون وسطی کے یورپی حضرات Haly Abbas کے نام سے یاد کرتے تھے۔

جاری۔

از: محمد فیضان رضا علیمی، رضا باغ گنگٹی

مدیر اعلیٰ: سہ ماہی پیامِ بصیرت، سیتامڑھی۔

ایجادات:

مسلم سائنسدانوں کی سائنسی خدمات!

از: مولانا محمد ایوب مصباحی [مرادآباد]

☆☆☆

قدیم زمانے میں سائنس کی اصطلاح نہ تھی۔ اس کی جگہ حکیم کے لفظ کا اطلاق کیا جاتا تھا۔ اور حکیم اس شخص کا کہا جاتا تھا جو علم ہیئت، علم نجوم، علم کیمیا اور علم اجسام وابدان کے متعلق جملہ امراض کی تشخیص اور دواؤں، جڑی بوٹیاں کا علم رکھتا ہو۔ نیز جوان علوم کا جامع ہوتا اسے بڑا محترم و معزز سمجھا جاتا، معاشرے میں اسے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا، اگر انھیں کسی بادشاہ کا دربار مل جاتا تو ان کی قدر و منزلت اور بڑھ جاتی، دربار میں علمی مباحثے ہوتے، علم میں نکھار آتا اور انعام واکرام سے نوازا جاتا۔

اس کے بعد یہ اصلاح رائج ہوگئی کہ پڑھے لکھے دانشوروں کو تین حصوں میں تقسیم کردیا گیا۔ اول: حکیم۔ دوم: مولوی۔ سوم: عالم صاحب۔ یہ سب بھی علم وفن کا کوہ گراں ہوتے تھے۔ علم کیمیا، نجوم، طب، اور علم ہیئت میں خاصا درک رکھتے تھے۔ انھیں ذریعہ معاش کی کوئی فکر نہ ہوتی تھی۔ اس لیے بھی مزید تجربات و تحقیق میں ان کا شوق جوان رہتا۔ اب چوں کہ روزگار کی فکر بھی ہر ایک سے دامن گیر رہتی ہے اس لیے تحصیل علوم وفنون میں وہ کمال حاصل نہیں ہو پاتا، پھر عوام الناس کا ظلم وستم علما پر بڑھا اور سب دنیاوی فکروں میں ملوث ہوگئے۔

ان علما نے بے شمار چیزیں ایجاد کیں لیکن بد قسمتی سے خلافت عثمانیہ کا تختہ الٹنے کے بعد چھ سو سال کی محققین اطبا اور سائنس دانوں کی سائنسی خدمات پر یہود نے ہاتھ صاف کردیا اور انھیں اپنی زبان میں ترجمے کرا کے خوب ترقی کی۔ آج ہر کوئی یہ تصور کرتا ہے کہ جتنی تکنیکی چیزیں اس دور میں لوگ استعمال کررہے ہیں سب یہود ونصاری کی ایجاد اور ان کی مرہون منت ہیں۔ جب کہ یہ زعم باطل اور گمان فاسد ہے۔ جدید تکنیک میں مسلمانوں کا بیشتر حصہ ہے۔

اصطرلاب بنام دوربین مسلم سائنس دان کی ایجاد

(۱) اصطرلاب: (دوربین) یہ آلہ ابراہیم بن جندب متوفی ۱۵۷ھ/۷۷۶ء نے ایجاد کیا۔ جس نے اجرام فلکی میں مہارت حاصل کی، علم نجوم کا بھی ماہر تھا اور ایک بہترین صناع اور مکینک بھی تھا۔ بعد میں اس آلۂ اصطرلاب میں اٹلی کے گلیلو سے دوربین کا موجد کہا جاتا ہے۔ اصلاحات کرکے ترقی دے کر اس کا نام دوربین رکھ دیا۔

(مسلم سائنسدان اور ان کی خدمات، ص: ۱۸، مطبوعہ: اسلامک پبلیکیشنز، پرائیویٹ، لاہور پاکستان)

(۲) فلٹر، نمکیات، تیزاب، خضاب اور قرع انبیق کی ایجاد!

جابر بن حیان فن کیمیا (Camictry) کا باوا آدم کہا جاتا ہے ان نے ہی قرع انبیق کی ایجاد کی اور بہت سارے اصول وضع کیے۔ کئی ساری چیزوں کی کھوج بین کی، غریب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا شروع سے ہی اسے سونا بنانے کی لگن تھی

لیکن اس میں کامیابی نہ مل سکی کیمائی تجربات کو اہمیت دینے والا یہ دنیا کا سب سے پہلا سائنسداں ہے۔اس نے تیزاب وغیرہ کی ایجاد کی اس کے علاوہ متعدد سائنسی ایجادات کا سہرا اپنے نام کیا جن کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) عمل تصعید یعنی دواؤں کا جوہر اڑانا۔
(۲) قلماو یعنی دواؤں کو کیسے قلمایا جاتا ہے۔
(۳)اشیا کو فلٹر کرنے کا طریقہ
(۴) تین قسم کے نمکیات
(۵) تیزاب جس کا تجربہ کرتے وقت اس کی انگلی بھی جل گئی
(۶) دھاتوں کو بھسم کرکے کشتہ کیسے بنایا جاتا ہے؟
(۷) لوہے کی زنگ ختم کرکے اسے فولاد کیسے بنایا جاتا ہے۔
(۸) لوہے کو زنگ سے کیسے بچایا جاتا ہے؟
(۹) موم جامہ کیسے ہوتا ہے جس سے چیزوں پانی کے اثر سے محفوظ رکھا جا سکے
(۱۰) چمڑے کو رنگنے کا طریقہ

جابر کی سب سے بڑی ایجاد قرع انبیق ہے جس سے جڑی بوٹیوں سے عرق کشید کیا جاتا ہے آج بھی دواؤں کے استعمال میں آتا ہے دراصل اس سے جڑی بوٹیوں کے باریک اجزا عرق کے ساتھ کھنچے چلے آتے ہیں جو بہت مؤثر ہوتے ہیں۔

(مسلم سائنسدان اوران کی خدمات،ص:۲۴/مطبوعہ اسلامک پبلیکیشنز لاہور پاکستان)

(۳) دھوپ گھڑی کی ایجاد

دھوپ گھڑی بھی مسلم سائنس دان ابو عباس احمد بن محمد کثیر فرغانی متوفی ۲۴۳ھ/ ۸۶۳ء نے ایجاد کی۔ترکستان میں پیدائش ہوئی، مامون رشید کے زمانے میں بغداد آ گیا، علم ہیئت کا ماہر، کامیاب سول انجینئر اور صناع تھا اس نے اپنے تجربات کی روشنی میں دیوار گھڑی بنائی، زمین کی پیائش کا طریقہ بھی اسی نے ایجاد کیا، سمندر کی طغیانی ناپنے کا آلہ بھی اسی نے ایجاد کیا۔

(مسلم سائنسدان اوران کی خدمات،ص:۴۱)

(۴) ورنیر (virnier scal) سے قبل سدس (sextant) ایجاد ہو گیا تھا۔

علی بن عیسی اصطرلابی متوفی ۲۲۴ / ۸۶۴ء ایک بہت بڑا سائنس داں، علم ہیئت کا ماہر تھا، علم ہندسہ (جامیٹری) کا بہت شوقین تھا۔اس شخص نے ہی سب سے پہلے ورنیر ایجاد کیا، اس کی خواہش یہ تھی کہ سیاروں کی پیچ کی معرفت کا پتا لگایا جائے اور یہ بھی کہ ستاروں کے اجرام فلکی کی زمین سے کتنی دوری اور مسافت ہے۔اسی کام کے لیے ورنیر ایجاد کیا گیا۔

سدس کمپاس کی شکل کا دائرہ نماز ایک آلہ ہوتا ہے جس پر نمبر چڑھے ہوتے ہیں۔

(مسلم سائنسدان اور ان کی خدمات، ص:٤٤ / اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، پاکستان)

(۵) کیمیائی ترازو Chemcial balance) کیسے ایجاد ہوئی؟

یہ وہ ترازو ہے جس میں دھاتوں کا وزن کیا جاتا ہے اس کی ایجاد ۲۵۳ھ/ ۸۷۲ء میں ابو جعفر محمد بن شاکر نے کی یہ علم ہیئت میں کمال تام رکھتا تھا، فلسفہ اور نجوم پر بھی اس کی خاصی پکڑ تھی بچپن سے پڑھنے کا شوق تھا، دو چیزوں کے درمیان تناسب معلوم کرنے کا طریقہ اسی نے بتایا اور ایک کیمیائی ترازو بھی بنایا جس سے دھاتوں کا وزن بآسانی کیا جا سکے اس نے اپنے ہی گھر میں بھٹی کھودی اور پورا پورا دن جڑی بوٹیوں کو پکانے میں ہو جاتا اس اثنا میں کئی ایک عطر فروشوں اور اطبا سے ملاقات بھی ہوئی۔

(مسلم سائنسدان اور ان کی خدمات، ص:٤٦ / مطبوعہ اسلامک پبلیکیشنز لاہور، پاکستان)

(۶) طبی امداد (first aid) میزان طبع، چیچک کی تحقیق، الکحل اور آلۂ جراحت نشتر کی ایجاد:

ابوبکر محمد زکریا رازی متوفی ۳۰۸ھ مطابق ۹۳۲ء نے مذکورہ تمام اشیا کی تحقیقات و یجادات اور اصلاحات کی، جن کا مختصر ذکر آرہا ہے۔ رازی ایک روشن خیال، عالی دماغ، ماہر طبعیات وطبیات و کیمیا تھا ابتداء رازی کی زندگی جہالت سے بھرپور گزری، علم کا کوئی تصور نہ تھا، بچوں کے ساتھ عود بجانا مشغلہ تھا، کسی بات پر کھیل کود سب ختم کردی۔ شادی کے بعد گھریلو اخراجات کا بار جب بڑھا تو کیما گری کا خیال آیا اور سونا بنانا شروع کیا۔ لیکن اس میں کوئی کامیابی نہ مل سکی۔ بلکہ بھٹی پھوکنے اور اس سے بخارات اٹھنے کی وجہ سے آنکھیں خراب ہوگئیں۔ پڑوس کے ایک طبیب سے صلاح لی تو وہ ۵۰۰ راشرفیوں کے عوض علاج کے لیے تیار ہوا۔ مرتا کیا نہ کرتا! رازی نے علاج کرایا۔ خیر! آشوب چشم سے راحت ملی اور آنکھیں صحت یاب ہوئیں۔ معالج طبیب نے کہا: ''سونا ایسے نہیں بنتا، پہلے فن سیکھنا پڑتا ہے، ہنر ہوگا تبھی سونا بنا سکتے ہو، جیسے: میں نے تمھیں ٹھیک کردیا۔'' اس جملے نے رازی کی زندگی بدل کر رکھ دی۔ رازی نے بیوی بچوں کو چھوڑ کر علم و فن کے مرکز بغداد جانے کا ارادہ کیا۔ وہاں پہنچ کر علی بن سہل کے حلقۂ درس میں شامل ہوگیا اور جلد ہی تعلیم مکمل کر کے مطالعہ میں مشغول ہوگیا۔

اتفاق سے ان دنوں رازی کے اپنے آبائی وطن ''رے'' میں کسی ہسپتال میں بڑے ڈاکٹر کی جگہ خالی ہوئی رازی کو بغداد سے ہی تیار کر کے بھیجا گیا۔ رازی نے ہسپتال کا نظم و نسق میں موزوں تبدیلیاں کیں اور ہسپتال کو ترقی کی شاہراہ پر لا کھڑا کیا۔

[۱] طبی امداد کا طریقہ سب سے پہلے رازی نے ہی ایجاد کیا۔ واقعہ یہ ہے: حکومت کسی مناسب جگہ ہسپتال بنانا چاہتی تھی۔ رازی نے مشورہ دیا کہ اس کا پتا ایسے لگے گا کہ گوشت کا ایک ایک ٹکڑا شہر کے مختلف علاقوں میں آویزاں کر دیا جائے اور ہر روز اس کی رپورٹ دی جائے۔ کئی دن کے بعد رپورٹ دیکھنے کے بعد اس جگہ ہسپتال بنانے کا فیصلہ کیا جہاں گوشت کا ٹکڑا باقی تمام ٹکڑوں کے بالمقابل کم متغیر اور اثر پذیر رہا۔

[۲] رازی نے ہی میزان طبعی ایجاد کی جو دواؤں کا صحیح وزن کرنے اور چھوٹی سے چھوٹی کیمائی چیز تولنے کے لیے کام آتی ہے جو آج بھی ہر طبی لیب میں دستیاب رہتی ہے۔

[۳] رازی نے ہی ''چیچک'' کے مرض کی سب سے پہلے تحقیق کی اور اس کے لیے علاج تجویز کیا، فارمولے وضع کیے اور باقاعدہ مرض ''چیچک'' پر کتاب بھی لکھی جو آج بھی تقریبا ہر میڈیکل کالج میں شامل نصاب رہتی ہے۔

[۴] ''الکحل'' کی ایجاد بھی سب سے پہلے رازی نے ہی کی۔

[۵] آلۂ جراحت یعنی نشتر بھی رازی کی ہی ایجاد ہے۔

رازی کو فن طب میں کامل درک حاصل تھا دواؤں اور ان کے علاج میں بہت سے اضافے کیے۔

رازی فن طب میں اپنی نظیر آپ تھا اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ بین الاقوامی طبی کانگریس کا اجلاس ۱۹۱۳ء کو لندن میں ہوا جس میں رازی کی تحقیقات، کام، اور نظریات پر مضامین پیش کیے گئے اور آپ کو فن طب کا امام تسلیم کیا گیا۔

دوسرا اجلاس ۱۹۳۰ء میں فرانس کے شہر پیرس میں رازی کی ہزار سالہ برسی پر منعقد کیا گیا۔ اس میں عالی دماغ رازی کی تحقیقات پر تقریریں ہوئی اور اس کی تحقیقات پر کافی بحث و مباحثہ ہوا۔

(مسلم سائنسدان اور ان کی خدمات، ص: ۸۳)

(۷) موتیابند کے علاج کا موجد عمار موصلی!

ابوالقاسم عمار موصلی فن طب کا ماہر، امراض چشم کا ایکسپرٹ، ماہر سائنسداں اور طبیب حاذق ہے۔ اس کا زمانہ مشہور طبیب ''الحاکم'' متوفی ۹۹۶ء کا زمانہ ہے اور اس کے بیٹے کے زمانے میں کام کیا۔ موتیابند ایک تکلیف دہ مرض ہے انسان آنکھیں ہونے کے باوجود بھی اندھا ہے کہ اس کی وجہ سے کچھ دیکھ نہیں سکتا۔ موتیابند کی وجہ سے آنکھ کی پتلی پر ایک پردہ نما جھلی

آ جاتی ہے جس کی وجہ سے نظر آنا بند ہو جاتا ہے۔عمار موصلی نے نہ صرف اس کا علاج بتایا بلکہ اس کے آپریشن کا طریقہ بھی تجویز فرمایا۔آپریشن میں احتیاط کی تدابیر بھی بتائیں۔مزید برآں علاج کے درمیان جو تجربات ہوتے انھیں ایک کاپی میں لکھ لیتا انھیں تجربات کی"کتاب العین" کے نام سے طباعت کرائی۔اس کا ترجمہ پہلے دفعہ یوروپ میں ہوا، پھر جرمنی میں بڑے اہتمام سے اس کی اشاعت و طباعت ہوئی اور یہ کتاب کافی مقبول ہوئی۔

(ملخصا:از مسلم سائنسدان اوران کی خدمات،ص:۸۶ /مطبوعہ اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، پاکستان)

(۸) آپریشن، جراحت (surgeory)ٹونسل اور کینسر کے علاج کی ایجادو آغاز!

ان تمام چیزوں کی ایجاد مسلم سائنسدان ابوالقاسم بن عباس نے کی جو فن طب میں مہارت رکھنے والا دنیا کا سب سے پہلا سرجن گزرا ہے اس سے پہلے علاج بالدوا کا طریقہ رائج تھا اس نے آپریشن اور سرجری کا طریقہ ایجاد کیا، گلے کے گدود یعنی ٹونسل کا علاج کیا ہے؟ اسی نے بتایا۔کینسر کے بارے میں اس کا نظریہ یہ تھا کہ اس کا آپریشن کر کے اسے چھیڑنا نہیں چاہیے بلکہ اس کا علاج دواؤں سے کرنا چاہیے۔۳۹۵ھ/ ۱۰۰۹ء میں اس کا انتقال ہوا۔

(مسلم سائنسدان اور ان کی خدمات،ص ۸۷ /مطبوعہ اسلامک پبلیکیشنز، لاہور پاکستان)

از: محمد ایوب مصباحی پرنسپل وناظم تعلیمات دار العلوم گلشن مصطفی بہادر گنج،ٹھاکردوارہ، مراداباد، یو۔پی۔انڈیا۔

☆☆☆

رضویات:

حسان الہند کی نعتیہ شاعری میں تشبیہات کا رنگ

مولانا محمد حاتم رضا
[دہلی یونیورسٹی، دہلی]

☆☆☆

''تشبیہ'' بابِ تفعیل سے عربی زبان کا لفظ ہے۔لغت میں اس کے معنی مشابہت، تمثیل اور کسی چیز کو دوسری چیز کے مثل قرار دینا ہیں۔وغیرہ۔

علم بیان کی رو سے جب کسی ایک چیز کو کسی خاص صفت کے اعتبار سے یا مشترک خصوصیت کی بنا پر دوسری کی مانند قرار دے دیا جائے تو اسے تشبیہ کہتے ہیں۔مثلا: فلاں چیز برف کی مانند ٹھنڈی ہے،فلاں چیز دودھ کی طرح سفید ہے،فلاں چیز گلاب کی سی خوشبودار ہے،فلاں چیز شہد کی طرح میٹھی ہے،بچہ چاند کی طرح حَسین ہے۔مذکورہ ساری مثالوں میں تشبیہات ہیں۔آخری مثال میں بچہ کے حُسن کو چاند سے تشبیہ دیے بغیر بھی بتایا جاسکتا ہے کہ ''بچہ حَسین ہے''۔لیکن تشبیہ کی مدد سے کلام میں فصاحت وبلاغت پیدا ہوگئی ہے۔چوں کہ قادرالکلام شاعر صنعت تشبیہ سے ہی کسی بھی سادہ بیان کو دل کش اور پر اثر بناتے ہیں۔

تشبیہ بہت ہی پرانی چیز ہے۔تشبیہ اتنی ہی پرانی چیز ہے جتنی کہ خود زبان ہے۔دنیا کی کوئی ایسی زبان نہیں؛ جس میں ابتدا ہی سے وجودِ تشبیہ نہ ہو۔

آرتھر کلپٹن اپنی مشہور کتاب ''تاریخِ انگلستان'' میں لکھتا ہے:

''اس دور میں تشبیہ واستعارہ کے ذریعے سے ایک مطلب کو بار بار بیان کیا جاتا تھا۔تشبیہ اور استعارہ اس دور کی نمایاں خصوصیت ہیں''۔

مذکورہ بالا سطور سے یہ واضح ہوگیا کہ تشبیہات قدیم زمانے سے ہی ہر زبان میں پائی جاتی ہیں۔

ارکان تشبیہ سے پہلے اس بات کی وضاحت کردوں کہ آخر تشبیہ کے اغراض ومقاصد کیا ہیں؟ شاعر اپنے کلام تشبیہات کا استعال کیوں کرتا ہے تو ایک جملے میں یوں سمجھیے کہ کسی چیز کی توضیح وتشریح کے لیے اسے کسی چیز سے تشبیہ دینا مقصدِ تشبیہ ہے۔

ذیل میں مقصدِ تشبیہ کے چند نکات ملاحظہ کریں:

☆تشبیہ کی ایک غرض یہ بھی ہوتی ہے کہ مشبہ کا حال سننے والے کے ذہن نشین ہوجائے،اس غرض کے لیے ضروری ہے کہ مشبہ ہر لحاظ سے اکمل واشعر ہو۔مثلاً:

مرزا رفیع سودا کا شعر دیکھیے:

نہیں ہوں طالب رزق آسمان سے کہ مجھے
یقیں ہے کا سئہ واژوں میں کچھ نہیں ہوتا

آسمان کو کاسئہ واژوں اندھے پیالے، سے تشبیہ دے کر؛ یہ بات نشین کردی ہے کہ جس طرح اندھے پیالے میں کچھ نہیں ہوتا،اسی طرح اس آسمان کے اوندھے پیالے میں بھی کچھ نہیں، کوئی اس سے طالبِ رزق کیوں ہو؟

☆کبھی تشبیہ سے مشبہ کا حال بیان کرنا مقصود ہوتا ہے اور یہ دکھانا مقصود ہوتا ہے کہ مشبہ کن صفتوں سے متصف ہیں،جیسے: سفید ہے،سیاہ ہے،سرخ ہے،سر بلند ہے،وغیرہ۔

(بحر الفصاحت: ص: ۱۰۱۳)

☆کبھی تشبیہ سے مشبہ کا نادر و نایاب بنانا بھی مقصد ہوتا ہے۔

(بحر الفصاحت:ص:۱۰۲۲)

تشبیہ کی ایک بڑی خوبی وخصلت یہ بھی ہے کہ وہ منظر کشی میں معاونت کرتی ہے۔ بسا اوقات تشبیہ کی مدد سے کوئی منظر بے حد دل کش ودل فریب اور پرلطف ہوجاتا ہے۔ حاصل جملہ یہ کہ تشبیہات سے حسنِ جملہ میں اضافہ ہوتا ہے۔

ارکانِ تشبیہ:

☆مشبہ:۔جس چیز کو دوسری چیز کے مانند قرار دیا جائے، وہ ''مشبہ'' کہلاتی ہے۔مثلاً:''بچہ چاند کی مانند حَسین ہے''میں ''بچہ''مشبہ ہے۔

☆مشبہ بہ:- وہ چیز جس کے ساتھ کسی دوسری چیز کو تشبیہ دی جائے وہ مشبہ بہ کہلاتی ہے۔جیسے:اوپر کی مثال میں''چاند''مشبہ بہ ہے۔

☆ حروف تشبیہ/ادات تشبیہ:- وہ لفظ جو ایک چیز کو دوسری چیز جیسا ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے؛ حرف تشبیہ کہلاتا ہے۔اردو میں حرفِ تشبیہ مندرجہ ذیل ہیں:

سا، سے سی، جیسا، جیسی، طرح، اس طرح، جس طرح، یوں ،گویا، وار، آسا، مانند، نظیر، صورت، مثیل تمثال، شکل، ہم سر، ہم چشم وغیرہ۔(امام احمد رضا نے کن حروف تشبیہ کو زیادہ استعمال کیا ہے۔یہ ہمارے محدود علم میں نہیں ہے۔ہم نے تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن سراغ نہ لگ سکا یہ ایک تحقیق طلب بات ہے)۔

☆وجہ شبہ:- وجہ شبہ سے مراد وہ خوبی ہے؛ جس کی بنا پر مشبہ کو مشبہ بہ سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ جیسے:''بچہ چاند کی طرح حَسین ہے''میں وجہ شبہ بچہ کا حُسن ہے۔

☆ غرضِ تشبیہ:۔وہ مقصد ہے جس کے لیے تشبیہ دی جائے غرض تشبیہ کہلاتا ہے۔''غرض تشبیہ کا ذکر تشبیہ میں نہیں ہوتا ہے''یہ صرف قرینوں سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ تشبیہ کس غرض سے دی گئی ہے۔مثلاً مذکورہ مثال میں بچہ کے حُسن کو واضح کرنا غرض تشبیہ ہے۔

مثال دیکھیں:

جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں!!
یا شمع جل رہی پھولوں کی انجمن میں!!

اس شعر میں''جگنو''مشبہ ہے۔''شمع''مشبہ بہ ہے۔روشنی وجہ شبہ ہے اور''یا''حرف تشبیہ یہاں دیکھیں حرفِ تشبیہ نے کیا مزہ دیا ہے اور تشبیہ نے کس قدر ندرت بخشی ہے، کمال ہے۔

کلاسکی شاعر میر تقی میر کا شعر دیکھیے!!ے

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے

اوپر کے دونوں شعروں کے مشبہ اور مشبہ بہ کو دیکھیں کس قدر حسین تشبیہات ہیں، دونوں شعر میں مشبہ اور مشبہ بہ مذکور ہیں۔ ایسی لطیف اور پاکیزہ تشبیہات رضا کا ہی خاصہ ہے۔اس مضمون میں چند اشعار بطور مثال پیش کیے گئے ہیں۔اس طرح کے بہت اشعار ہیں جو تشبیہات کے استعمال سے بندشوں کی چستی اور سلاست بیان سے معمور ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ امام احمد رضا نے نعتیہ شاعری میں عام فہم سوقیانہ تشبیہات گریز کیا ہے اور نعت نگاری میں یعنی رہے آدابِ شریعت ملحوظ کے مطابق سرکاری مدح سرائی میں حضور کی شایانِ شان تشبیہات وضع کی ہیں۔

پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے!!

اس شعر میں میر نے اپنے محبوب کے ہونٹ کو گلاب کی پنکھڑی سے تشبیہ دی کر لبِ محبوب کو گلاب کی پنکھڑی کی مانند قرار دیا ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ کی ذات گرامی اور ان کا تبحر علمی کسی تعارف کا محتاج نہیں، وہ ایک زبردست عالم یگانہ روزگار، فقیہ ومفسر ہونے کے ساتھ منفرد نعت گو شاعر بھی تھے۔

صنفِ نعت میں وہی شاعر کامیاب وکامران رہا ہے جو محبتِ رسول کے ساتھ ساتھ احکامِ خداوندی اور فرموداتِ نبوی کا بھی عالم

ہے۔

شاعری میں نعت گوئی کے دو پہلو ہیں۔

☆ ایک سراپا نگاری

☆ دوسرے سیرت نگاری

پروفیسر خواجہ اکرام (جے این یو) رقم طراز ہیں کہ:

''نعت پاک کی سراپا نگاری میں اردو شاعری میں امام احمد رضا خان بریلوی ایک تنہا شاعر ہیں جو نعت گوئی کے دونوں زاویوں سے اپنی مثال آپ ہیں۔''

(اردو کی شعری اصناف:ص:14)

بلاشبہ!! امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری ایک ایسے تراشے ہوئے ہیرے کی مانند ہے جس کے ہزاروں پہلو ہیں اور ہر پہلو سے جداگانہ رنگ نکل سکتا ہے اور نت نئے مضامین کے موتیوں سے اردو ادب کے خزانے بھر سکتے ہیں۔

اب یہاں سے رضا کی شاعری میں تشبیہات کا رنگ دیکھیں، تشبیہ کے حسن و جمال اور ندرتِ کمال کا انحصار زیادہ تر شاعر کے کثرتِ مطالعہ، فطری استعداد اور پروازِ تخیل پر منحصر ہے، یہ محبتانہ غلو نہیں بلکہ حقیقتانہ تجزیہ ہے کہ رضا قدس سرہ کی جدت پسند طبیعت نے ایسے ایسے نادر و نایاب تشبیہات وضع کی ہیں کہ جس کے قریب عام شعراء پر بھی نہیں مار سکتے، دل کش اور سحر آمیز تشبیہات کو وضع کرنے میں اپنی مثال آپ ہیں۔

پتلی پتلی گل قدس کی پتیاں
ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام!!

اس شعر میں رضا قدس نے حضور ﷺ کے مبارک لبہائے نازک کو ان کی نزاکت کی بنا پر ''گلِ قدس کی پتیوں'' سے تشبیہ دی ہے۔

حضور پاک کے لبہائے مبارک سب سے زیادہ خوب صورت، حسین ،لطیف، گلاب کی پنکھڑیوں سے زیادہ نرم و نازک، سرخی مائل سفید اور حسن اعتدال کے ساتھ پتلے تھے، اس اعتبار سے رضا کی تشبیہ بھی کمال کی ہے۔ سبحان اللہ!!

دل کرو ٹھنڈا مرا وہ کفِ پا چاند سا
سینہ پہ رکھ دو ذرا تم پہ کروڑوں درود!!

اس شعر میں امام احمد رضا نے محبوب خدا ﷺ کے ''کفِ پا'' (تلووں) کو چاند سے تشبیہ دی ہے، مشبہ بہ کا کفِ پا کے ساتھ استعمال کے کیا کہنے، جواب نہیں ہے!!

ریشِ خوش معتدل مرہمِ ریشِ دل
ہالۂ ماہ ندرت پہ لاکھوں سلام!!

اس شعر میں امام احمد رضا نے حضور ﷺ کی داڑھی مبارک کو ہالۂ ماہ (چاند کے چہار جانب جو کنڈل ہوتا ہے) سے تشبیہ دی ہے۔

ایسی تشبیہ جہاں شعراء کے تخیلات ساکت و جامد ہو جاتے ہیں۔ تشبیہ کی اثر آفرینی نے شعر میں چار چاند لگا دیا ہے۔

سرگیں آنکھیں، حریمِ حق کے وہ مشکیں غزال
ہے فضائے لامکاں تک جن کا رمنا نور کا!!

''سرگیں'' آنکھیں تو ہر کوئی کہتا ہے، مگر تشبیہِ رضا میں دل کشی اور اثر آفرینی دیکھیں، حضور کی ''سرگیں'' چشمانِ مقدس کو حریمِ حق کے مشکیں غزال کہنا، کیسی انوکھی تشبیہ ہے، مازاغ البصر وماطغیٰ کی حسین اور نورانی تفسیر ہے۔

کعبہ دلہن ہے، تربتِ اطہر نئی دلہن
یہ رشکِ آفتاب، وہ غیرت قمر کی ہے!!

دونوں بنیں سجیلی انیلی بنی مگر
جو پی کے پاس ہے وہ سہاگن کنور کی ہے!!

سر سبز وصل یہ ہے، سیاہ پوش ہجر وہ
چمکی دوپٹوں سے ہے جو حالت جگر کی ہے!!

مذکورہ اشعار میں کعبہ مقدس اور گنبدِ خضری کی منظر کشی اور تشبیہات کے حُسن کو دیکھیں، امام احمد رضا نے کتنے لطیف انداز میں کعبہ اور روضہ اطہر کی منظر کشی کی ہے۔ امام کا کمال دیکھیے، تشبیہات کی مدد سے کتنی دلکشی پیدا کی ہے، کعبہ کو دلہن اور

تربتِ اقدس کو نئی نویلی زیور یافتہ دلہن سے تشبیہ دی ہے۔ کعبہ رسول کی جدائی میں کالا لباس میں ملبوس ہے کہ حضور نے اس سے دائمی جدائی اختیار کر لی ہے اور روضہ اقدس سبز کپڑے میں اس لیے ملبوس ہے کہ اس کی آغوش میں جانِ کائنات آرام فرما ہیں۔

سرتا بقدم ہے تنِ سلطان زمن پھول!!
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول!!

اس شعر کے مصرعِ اول میں ''سرتا بقدم'' مشبہ ''زمن پھول'' مشبہ بہ، دوسرے مصرعہ میں ''لب'' مشبہ، ''پھول'' مشبہ بہ ''دہن'' مشبہ ''پھول'' مشبہ بہ ''ذقن'' مشبہ، ''پھول'' مشبہ بہ ''بدن'' مشبہ ''پھول'' مشبہ بہ ہے۔ رضا کا کمال فن دیکھیں ایک شعر میں پانچ مشبہ اور پانچ مشبہ بہ ہیں۔

لک بدر فی الوجہ الاجمل خط، ہالہ، مہ، زلف، امرِ اجل
تورے چندن چندر پرو کنڈل، رحمت کی بھرن برسا جانا

اس چہار لسانی شعر میں ''خط'' مشبہ، ''ہالہ مہ'' مشبہ بہ، ''زلف'' مشبہ، ''امرِ اجل'' مشبہ بہ ہے۔

اوپر کے دونوں شعروں کے مشبہ اور مشبہ بہ کو دیکھیں کس قدر حسین تشبیہات ہیں، دونوں شعر میں مشبہ اور مشبہ بہ مذکور ہیں۔ ایسی لطیف اور پاکیزہ تشبیہات رضا کا ہی خاصہ ہے۔ اس مضمون میں چند اشعار بطورِ مثال پیش کیے گئے ہیں اس طرح کے بہت اشعار ہیں جو تشبیہات کے استعمال سے بندشوں کی چستی اور سلاستِ بیان سے معمور ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے امام احمد رضا نے نعتیہ شاعری میں عام فہم، سوقیانہ تشبیہات سے گریز کیا ہے اور نعت نگاری میں ''یعنی رہے آدابِ شریعت ملحوظ'' کے مطابق سرکاری مدح سرائی میں حضور کی شایانِ شان تشبیہات وضع کی ہیں۔

☆☆☆

رضویات:

علامہ تحسین رضا خاں کی حدیثی خدمات

تحریر: مفتی محمد صدام حسین رضوی مصباحی جامعی
[پرنسپل جامعہ نوریہ برکاتیہ نان پور، سیتامڑھی بہار]

☆☆☆

مظہر حضور مفتی اعظم ہند، جلالۃ العلم، رئیس الاتقیا، حضور صدر العلما حضرت علامہ الحاج الشاہ مفتی محمد تحسین رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی ولادت باسعادت ۱۴/ شعبان المعظم ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۳۰ء میں ہوئی۔ آپ گونا گوں خوبیوں اور متنوع اوصاف و کمالات کے حامل تھے، آپ جہاں ایک عظیم مدرس، مفکر، مفسر، مبلغ اور داعی اسلام تھے، وہیں ایک ماہر محدث بھی تھے۔ یوں تو آپ کی خدمات دینیہ کے بہت سے گوشے ہیں لیکن ان سب خدمات میں جو آپ کی حیات مبارکہ کا اہم اور نمایاں کارنامہ ہے وہ ہے درس قرآن عظیم اور درس حدیث مبارک۔ یہ دونوں آپ کی زندگی کے بہت ہی اہم گوشے اور آپ کی عظیم خدمات ہیں۔ آپ کا درسِ قرآن و حدیث اتنے مہتم بالشان طریقے پر ہوتا تھا کہ علاقے، گاؤں، شہر اور قصبہ کے عوام تو عوام، خواص بھی ایک اچھی خاصی تعداد میں شریک ہوتے تھے اور خود کو درسِ قرآن عظیم اور درسِ حدیث پاک سے مستفیض و مستنیر کیا کرتے تھے۔ حدیث پاک سے خاصا شغف اور شوق و ذوق کی بنیاد پر ہی اکابرین علما آپ کو "محدث بریلوی" جیسے اہم خطاب اور لقب سے یاد کرتے ہیں۔

پیش نظر مضمون بعنوان ''حضور صدر العلماء علامہ تحسین رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی حدیثی خدمات'' میں ہم حضور صدر العلما علیہ الرحمہ کی حدیث پاک سے دلی لگاؤ اور ان کے درس حدیث کے اہم گوشوں اور خوبیوں کو اجاگر کریں گے۔ ان شاءاللہ عزوجل۔

حضور صدر العلما علیہ الرحمہ کی فنِ حدیث میں مہارت اور استحضار کا یہ عالم تھا کہ جب بھی آپ سے کسی حدیث پاک کے متعلق پوچھا جاتا کہ یہ حدیث مبارک سند کے اعتبار سے کیا ہے؟ آیا مرفوع ہے یا موضوع یا پھر ضعیف؟ تو آپ فوراً سائل کو بتا دیتے کہ یہ حدیث مرفوع ہے اور یہ حدیث موضوع وضعیف ہے۔ اس سلسلے میں ہم ادیب شہیر حضرت علامہ کوثر امام قادری صاحب قبلہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں، جو حضور صدر العلما علیہ الرحمہ کی حدیث پاک میں مہارت و استدراک پر بین ثبوت ہے، مولانا موصوف کا بیان ہے کہ: ایک مرتبہ صبح میں حضور صدر العلما علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ''حضور! موضوعات حدیث کے سلسلے میں کون سی کتاب زیادہ نفع بخش ثابت ہوگی تو آپ نے ارشاد فرمایا: موضوعات کبیر للشیخ ملا علی قاری علیہ الرحمہ کا مطالعہ کیجیے، اس فن میں یہ نہایت عمدہ کتاب ہے''۔

پھر آگے چل کر مولانا موصوف رقم طراز ہیں کہ: ''فوراً میرے دل میں یہ خیال آیا کہ ملا علی قاری علیہ الرحمہ حنفی ہیں اور حضور صدر العلما علیہ الرحمہ بھی حنفی ہیں، اس لیے آپ نے موضوعات کبیر کی نشان دہی فرمائی ہے، اتنے میں حضور صدر العلما علیہ الرحمہ یوں گویا ہوئے اور ارشاد فرمایا: اس لیے نہیں کہ ملا علی قاری علیہ الرحمہ حنفی ہیں بلکہ اس لیے کہ انھوں نے موضوعات کی دیگر کتابوں کو سامنے رکھ کر کامل احتیاط کے ساتھ تحقیق و تفتیش فرمائی ہے اور جرات و جسارت کی بجائے احوط سے کام لیا ہے''۔

ملخصا (سالنامہ تجلیات رضا، صدر العلما نمبر، ص: ۸۸)

اس عمدہ اور نفیس بیان سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ حضور صدر العلما علیہ الرحمہ کو حدیث دانی پر کامل عبور و دسترس حاصل تھا۔

ایک دوسرا سوال مولانا موصوف نے قائم کیا اور عرض کیا: حضور! "**اطلبو العلم و لو کان بالصین**" کو امام ابن حبان علیہ الرحمہ نے لایثبت اور باطل کہا ہے، اس حدیث پاک کے متعلق آپ نے فرمایا یہ امام ابن حبان علیہ الرحمہ کی تحقیق ہے، انھیں جس سند سے یہ حدیث پاک ملی، اسے دیکھ کر انہوں نے حکم بطلان لگایا مگر جب آپ تحقیق و تفتیش اور جانچ کریں گے تو معلوم ہوجائے گا کہ موضوع و باطل تو نہیں البتہ ضعیف ہے، نیز اس سلسلے میں حضور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالی عنہ نے بھی اسی طرح ارشاد فرمایا ہے"۔ ملخصا

(حوالہ سابق)

مولانا موصوف کے مذکورہ بالا دونوں بیان سے معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت نے حضور صدر العلما علیہ الرحمہ کو علم حدیث میں کافی مہارت اور استدراک عطا فرمایا تھا۔

اسی طرح آپ کے میخانہ علمی سے فیض حاصل کرنے والے حضرت علامہ مفتی قاضی شہید عالم رضوی صاحب قبلہ ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ: "عام مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح و تربیت، حضور صدر العلما علیہ الرحمہ کے لیے ایک مشکل امر تھا، لہٰذا آپ نے ہفتہ وارانہ درس حدیث پاک کا آغاز فرمادیا۔

درس قرآن عظیم وحدیث پاک کا طریقہ یہ تھا کہ حضور صدر العلما علیہ الرحمہ وقت مقررہ پر تشریف لاتے اور پہلے قرآن مجید کی ایک رکوع کا ترجمہ و تفسیر اس طرح بیان فرماتے کہ ایک ایک آیت تلاوت فرماتے، پھر اس کا ترجمہ اور مختصر مگر جامع تفسیر بیان فرماتے، اگر کسی آیت سے اہل سنت و جماعت کے عقائد و نظریات کی حمایت ہوتی تو اس کی بھی نشان دہی فرمادیتے، پھر مشکات شریف کا درس دیتے تھے، درس حدیث نہایت عام فہم اور آسان انداز میں بیان فرماتے تھے اور اس کا ترجمہ و تشریح بہت ہی آسان لب و لہجہ میں فرماتے کہ ہر کسی کو سمجھ میں آجائے، مشکل الفاظ اور پیچیدہ تراکیب سے احتراز و اجتناب فرماتے، دوران درس جب ایسی کوئی حدیث شریف آجاتی جو امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مذہب کے خلاف ہوتو اس حدیث سے متعلق تاویل یا نسخ جو بھی ہوتا بیان فرماتے اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب کے موافق اور حمایت و تائید میں حدیث پاک بیان فرماتے، آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے جو احکام شرعیہ و مسائل دینیہ مستنبط اور مستخرج ہوتے تو وہ بھی حضور صدر العلما علیہ الرحمہ نہایت شستہ اور آسان اسلوب میں بیان فرماتے، درس قرآن مجید وحدیث پاک کا یہ مبارک پروگرام تقریباً ایک گھنٹہ پر مشتمل ہوتا، اس کے بعد لوگ اپنے اپنے اشکالات و سوالات پیش کرتے اور حضور صدر العلما علیہ الرحمہ ان سب اشکالات و مسائل کا جواب مرحمت فرماتے، صدر اجلاس جناب سید محمد اسرائیل صاحب کئی بار اعلان کرتے کہ سامعین حضرات صرف درس سے متعلق ہی سوالات پیش کریں، لیکن وہ حضرات اس بات کی پابندی نہیں کرتے اور ہر قسم کے سوالات پیش کردیتے، حضور صدر العلما علیہ الرحمہ نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ جواب مرحمت فرماتے۔ یہاں تک کہ غیر ضروری سوالات پوچھنے کے باوجود کبھی بھی حضور صدر العلما علیہ الرحمہ کی پیشانی پر شکن اور رنج کے آثار نظر نہیں آتے، بعد ازاں درس قرآن عظیم وحدیث مبارک کی محفل دعا و استغفار اور کلمہ طیبہ کے ذکر کے ساتھ اختتام پذیر ہوتی تھی۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ حضور صدر العلما علیہ الرحمہ علم حدیث میں مہارت تامہ اور استدراک کامل رکھتے تھے، حضور صدر العلما علیہ الرحمہ مصطلحات حدیث جیسے تاویل الحدیث، علم رجال الحدیث وغیرہ پر مکمل عبور و دسترس رکھتے تھے۔

اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو حضور صدر العلما علیہ الرحمہ کے علمی فیضان سے مالا مال فرمائے، آپ کے درجات کو بلند فرمائے اور آپ کی قبر پر تا قیامت رحمت و غفران کی بارش برسائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیہ الصلاۃ والتسلیم۔ ☆☆☆

شخصیات:

حضور غوث اعظم کی علمی خدمات

از: مولانا محمد سبطین رضا سبطین، بنگال

☆☆☆

اللہ رب العزت قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہے:فَوَجَدَا عَبۡدًا مِّنۡ عِبَادِنَاۤ اٰتَیۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَ عَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا ۝۶۵

ترجمہ: تو انھوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے خاص رحمت دی تھی اور اسے اپنا علم لدنی عطا فرمایا۔

کنز الایمان

جملہ اولیاے کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کرتے وقت بیش تر ہمارے زیرِ نظر اُن کی کرامات ہوتی ہیں اور ہم ان کرامات سے ہی کسی ولی کے مقام و مرتبہ کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔حالاں کہ اس ضمن میں صحیح اور درست قاعدہ یہ ہے کہ ہم اولیاے کرام کے صرف کرامات تک ہی اپنی نگاہ محدود نہ رکھیں بلکہ اُن کی حیات کے دیگر پہلوؤں کا بھی مطالعہ کریں کہ اُن کا علمی فکری، معاشرتی اور عوام الناس کی خیر و بھلائی کے ضمن میں کیا کردار رہا ہے؟

ایسے نفوسِ قدسیہ بہت تھوڑے ہیں جنہیں اللہ نے وہ استعداد عطا فرمایا ہو کہ وہ جملہ علوم وفنون میں یکتاے روزگار ہوں، اپنے عبقری دماغ اور اللہ کے خصوصی فضل و احسان سے دنیا کو بڑے بڑے فقہا و ادبا دیے ہوں، جو وقت و حالات کی رفتار اور اس کے رخ بدلے ہوں۔ اگر قدرت اپنی فیاضی سے وقتاً فوقتاً ایسے لوگوں کو نہ بھیجتی تو علم دنیا سے کب کا عنقا ہو چکا ہوتا۔

اگر اس تمثیل میں سوے ادب کا پہلو نہ نکلتا ہو تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ صلاح وفلاح امم کی دعوت میں انبیاے کرام کی مقدس جماعت میں جو مقبولیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی ہے اصلاحِ اخلاق و اعمال کے ضمن میں آپ کے صدقے اور برکت سے پانچ سو سال بعد اولیاے کرام میں یہی شرف وفضل آپ کی نسل میں سے ایک شخص کو حاصل ہوا۔

غوثِ اعظم، پیران پیر دستگیر، شیخ الشیوخ، سلطان الاولیاء، سردارِ اولیاء، قطبِ ربانی، محبوبِ سبحانی قندیلِ لامکانی، امام الاولیاء، السید السند، قطب اوحد، شیخ الاسلام زعیم العلماء، قطب بغداد، بازِ اشہب، ابوصالح، میر محی الدین حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی حسنی اباً، حسینی اُماً، حنبلی مذہباً رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرشِ ولایت کے ایسے مسند نشیں تھے جن سے بے شمار کشف و کرامات کے صدور کے ساتھ ساتھ علمی و دینی خدمات اس کثرت سے وقوع پذیر ہوئیں جو کہ حد وحساب سے باہر ہیں۔

آپ علم شریعت و طریقت کے ایسے جامع تھے کہ بڑے بڑے فقہا، ادبا اور دیگر ماہرین علم نے آپ کی علمی عظمت ورفعت دیکھ کر زانوے تلمذ تہ کیا۔ آپ علم تفسیر میں ایک عظیم الشان اور ماہر مفسر کی حیثیت رکھتے ہیں، اور علم حدیث میں آپ کا اتنا اونچا مقام ہے کہ بڑے بڑے محدثین آپ کی شان میں قصیدہ خوانی کرتے ہوئے نظر آئے ہیں۔

چنانچہ حافظ ابوالعباس احمد بن احمد بغدادی اور علامہ حافظ عبدالرحمٰن بن الجوزی یہ دونوں اپنے وقت میں علم کے سمندر تھے، بالخصوص علم حدیث میں جبل شامخ شمار کئے جاتے تھے،

بلکہ معاصرین میں کوئی ان کا ہمسر نہیں تھا، آپ کی مجلس وعظ میں بغرض امتحان حاضر ہوئے اور یہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھ گئے جب حضور غوث اعظم نے وعظ شروع فرمایا تو ایک آیت کی تفسیر مختلف طریقوں سے بیان فرمانے لگے۔ پہلی تفسیر بیان فرمائی تو اِن دونوں عالموں نے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے تصدیق میں اپنی اپنی گردنیں ہلادیں۔ اِسی طرح گیارہ تفسیروں تک تو دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ دیکھ کر اپنی اپنی گردنیں ہلاتے رہے اور حضور غوثِ اعظم علیہ الرحمہ کی تصدیق کرتے رہے مگر جب حضور غوث اعظم نے بارہویں تفسیر بیان فرمائی تو اِس تفسیر سے دونوں عالم ہی لاعلم تھے اِس لیے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دونوں آپ کا چہرۂ مبارک تکنے لگے اِسی طرح چالیس تفسیریں اِس آیت مبارکہ کی آپ بیان فرماتے چلے گئے اور یہ دونوں عالم حیرت و استعجاب کی تصویر بنے رہے پھر آخر میں آپ نے فرمایا کہ اب ہم قال سے حال کی طرف پلٹتے ہیں پھر کلمہ طیبہ کا نعرہ بلند فرمایا تو ساری مجلس میں وجد کی کیفیت اور اضطراب پیدا ہوگیا اور علامہ ابن الجوزی نے بے خودی میں اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے

(ماخوذ سیرت غوث اعظم مصنفہ عالم فقری ۷۷/۷۸)

چھٹی صدی ہجری کے آغاز میں ارشاد و تلقین اور اصلاح احوال کا جو کام حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے کیا بعد میں ہمیں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

آپ کی پوری زندگی اپنے جد کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے فرمان "تعلموا العلم وعلموہ الناس" (پڑھو اور پڑھاؤ) سے عبارت تھی۔ تصوف و ولایت کے مرتبۂ عظمیٰ پر فائز ہونے اور خلق خدا کی اصلاح تربیت کی مشغولیت کے باوجود درس و تدریس اور تصنیف و تالیف سے پہلو تہی نہ کی۔ آپ تیرہ مختلف علوم کا درس دیتے تھے اور اس کے لیے باقاعدہ وقت مقرر تھا۔ اگلے اور پچھلے پہر تفسیر، حدیث، فقہ، مذاہب اربعہ، اصول اور نحو کے اسباق ہوتے۔ ظہر کے بعد تجوید وقرآت کے ساتھ قرآن کریم کی تعلیم ہوتی۔

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا مدرسہ نظامیہ قلیل عرصہ میں علم وعرفان کا مرکز بن چکا تھا جس میں بہت سے علما اور فضلا شرف تلمذ سے مشرف ہوئے، اور ایک خلق کثیر آپ کے علم وعرفان سے فیض یاب ہوئے، جن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

اندازہ لگائیں! آپ کے مدرسہ سے سالانہ تین ہزار طلبہ دستار فضیلت حاصل کرتے تھے اور آپ نے ۴۸ر برسوں میں ایک لاکھ سے زائد علما کو فارغ التحصیل کیا؛ آپ کے شاگردوں میں کوئی معمولی حیثیت کے عالم نہیں تھے، آپ کے تلامذہ کے علمی کمالات اگر بیان کئے جائیں تو ایک دفتر درکار ہوگا۔

جن حضرات نے آپ کے جامعہ سے سند حاصل کی ان میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی تبرکاً درج کیے جاتے ہیں۔

تلامذہ کے اسماء گرامی:

محمد بن احمد بن بختیار، ابومحمد بن عبداللہ بن ابوالحسن لجبائیؒ، خلف بن عباس المصری، عبدالمنعم بن علی الحرانی، ابراہیم الحداد یمنی، عبداللہ الاسدی الیمنی، عطیف بن زیاد یمنی، عمر بن احمد الیمنی الہجری، مدافع بن احمد، ابراہیم بن بشارت، عمر بن مسعود النبر ازمیر بن محمد الجیلانی، عبداللہ البطائحی نزیل بعلبک، مکی بن ابوعثمان، عبدالرحمن الصالح، عبداللہ بن الحسن العسکری، ابوالقاسم بن ابوبکر احمد، احمد عتیق، ابونصر عبدالعزیز الجنایدی، محمد بن ابوالمکارم الحجۃ الیعقوبی، عبدالملک بن ریان ابواحمد عبدالرحمن بن نجم الخزرجی یحییٰ التکرینی، ھلال بن امیہ العدفی، یوسف بن مفظر القاقولی، احمد بن اسمٰعیل بن حمزہ عبداللہ بن احمد المنصوری، سدونۃ الصریفینی، عثمان الباسری، محمد الواعظ الخیاط، تاج الدین بن بطہ، محمد بن المداینی، عبدالرحمن بن بقاء محمد المنخال، عبدالعزیز بن لف، عبدالکریم بن محمد المصری، عبداللہ بن محمد بن الولید، عبدالمحسن بن الدویرہ محمد بن ابوالحسین ولف الحریمی، احمد بن الدبیقی، محمد بن احمد الموذن، یوسف بن عبداللہ الدمشقی، احمد بن مطیع علی بن النفیس

المامونی، محمد بن اللیث العزیز الشریف احمد بن منصور، علی بن ابو بکر، محمد بن نصراۃ، عبداللطیف بن محمد الحرانی

(سیرت غوث الثقلین مصنفہ عالم فقری ص ۸۴)

آپ کی تدریس کے ساتھ ساتھ وعظ کی بہت ساری مجلسیں منعقد ہوتیں تھیں، جن میں اطراف و اکناف سے ہی نہیں بلکہ پورے بلادِ اسلامیہ سے لوگ آتے تھے، اس زمانے کے عظیم المرتبت شیوخ، زہاد و اولیا، اتقیا و صوفیا، علما، فقہا، فصحا و بلغا، شرفا و نجبا، بادشاہ وقت آپ کی خدمت میں آ کر بیٹھتے تھے، اور آپ کے علمی فیوض و برکات سے مستفیض ہوتے تھے۔ جن میں امام احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ بانیٔ سلسلہ رفاعیہ، سیدنا شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ بانیٔ سلسلۂ سہروردیہ، عباسیوں کا خلیفۂ وقت المستنجد باللہ اور امام السمعانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جید شیوخ قابل ذکر ہیں۔

تصانیف:

شیخ عبدالقادر جیلانی نے طالبان حق کے لیے گرانقدر کتابیں تصنیف فرمائیں، ان میں سے کچھ کے نام درج ذیل ہیں۔ اس فہرست میں ان کتابوں کو بھی شامل رکھا گیا ہے جو آپ کے افادات سے وجود میں آئیں:

سرالاسرار فی مایحتاج الیہ الابرار، فتوح الغیب، الفتح الربانی، الرسالۃ الغوثیہ، القصیدۃ اللامیہ الغوثیہ، المواہب المواہب الرحمانیہ، جلاء الخاطر، الردعلی الرافضہ، مسک الختام ملفوظات، وصایا الشیخ عبدالقادر سرالاسرار فی مایحتاج الیہ الابرار:

علم تصوف کے موضوع پر ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں جن میں اکثر کتب ایسے اہل علم و صوفیہ کرام کی ہیں جو نہ صرف علوم باطنیہ کے فیضان سے مالا مال تھے بلکہ علوم شریعت طاہرہ میں بھی ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ لیکن تصانیفِ تصوف میں جو انفرادیت اور جامعیت ''سرّ الاسرار فی مایحتاج الیہ الابرار'' کو حاصل ہے اس کی نظیر پیش کرنا مشکل ہے۔ سرالاسرار حضور غوثِ اعظم کی مشہور زمانہ تصنیف ہے جس میں آپ نے شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت کے اسرار کو پیش فرمایا ہے۔ اس تصنیف کی یہ خاصیت بھی ہے کہ اس میں 100 سے زائد موضوعات کو ہر دو ظاہری اور باطنی پہلوؤں سے بیان کیا گیا ہے- آپ نے اس تصنیف میں علم تصوف کے مضامین پر اپنی پُر تاثیر علمی اور مدلل گفتگو فرمائی ہے کہ سالک راہ معرفت حق تعالیٰ کے اسرار سے لبریز ہوجاتا ہے- گو کہ یہ کتاب آپ نے بعض طالبوں کے اصرار پر مبتدی طالبان مولیٰ کے لیے رقم فرمائی تھی لیکن یہ تصنیف اتنی علمی وسعت رکھتی ہے کہ موجودہ زمانے میں تجدید پسندوں کی طرف سے اہل تصوف پر جو اعتراضات وارد کیے جاتے ہیں۔ ان کا مدلل جواب اس تصنیف لطیف کی روشنی میں دیا جاسکتا ہے۔

فتوح الغیب:

''الغیب''، حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے اٹھتر تقاریر کا مجموعہ ہے جو انھوں نے وقتاً فوقتاً بغداد کی جامع مسجد اور مختلف عوامی اجتماعات میں فرمائی تھیں۔ اس میں ہر تقریر کو ایک مقالہ کہا گیا ہے، کتاب میں شامل ہر مقالہ معرفت کا عکاس ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقالات طویل تقاریر کا خلاصہ اور بنیادی نکات ہیں کیونکہ تقریباً سبھی مقالات ایک، دو یا زیادہ سے زیادہ چار صفحات میں مشتمل ہیں۔

الفتح الربانی:

اس کتاب کا مکمل نام ''الفتح الربانی والفیض الرحمانی'' ہے یہ حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے ان مواعظ و ملفوظات کا مجموعہ ہے جو ان کے نواسے اور مرید خاص عفیف الدین المبارک نے آپ کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات کو مجلس وعظ میں قلم بند کیا، اس میں آپ کے وہ علوم معارف ہیں جو شریعت و طریقت کے مسافروں کے لیے انمول رہنما ہیں۔

الرسالۃ الغوثیہ:

کتاب "الرسالۃ الغوثیہ" محبوب سبحانی، قطب ربانی حضور سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی باطنی معراج کے دوران اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونے والی الہامی گفتگو پر مشتمل ہے۔

القصیدۃ اللامیہ الغوثیہ:

یہ قصیدۂ غوثیہ کے نام سے پوری دنیا میں مشہور ہے یہ قصیدہ انتیس اشعار پر مشتمل ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے

سقانی الحب کاسات الوصال
فقلت لخمرتی نحوی تعال

ترجمہ: عشق ومحبت نے مجھے وصل کے پیالے پلائے۔ پس میں نے اپنی شراب معرفت سے کہا کہ میری طرف آ۔

یہ قصیدہ عالم وجد و کیف کی ایک صدا ہے جس سے دل راحت محسوس کرتا ہے اس قصیدہ میں حضور غوثِ اعظم نے اپنے ارفع و اعلیٰ روحانی مقامات کا ذکر بطور تحدیث نعمت کیا ہے "فتوح الغیب کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ جب حضور غوثِ اعظم اس قصیدہ کے اشعار پڑھتے تھے، تو آخر میں ارشاد فرماتے تھے۔

ولا فخر و ھذا من فضل ربی

یہ حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی محض چند تصنیفات پر ایک مختصر تبصرہ ہے ان تصانیف کے سمندر میں غواصی کر کے اگر علوم و معارف کے موتی نکالے جائیں اور ان کو صفحات قرطاس پر لایا جائے تو ہر تصنیف پر تبصرہ کی مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے فیضان سے شاد کام فرمائے آمین بجاہ النبی الامین۔

رکھ دو سبطین کہہ کر قلم بس یہی
مغفرت کی ضمانت ہیں غوث الوریٰ

محمد سبطین رضا سبطین مرتضوی
[دھامی گچھ، سونا پور، بنگال (الہند)

☆☆☆

شخصیات:

تارکِ سلطنتِ سمناں سلطانِ مملکتِ عرفاں

از: مولانا نواز اعظمی، گھوسی، مئو

☆☆☆

نبی کریم ﷺ کا مبارک دور ہے، اسلام مکہ سے نکل کر مدینہ اور اکنافِ عرب میں پھیل رہا ہے، سید کونین ﷺ اسلام کی دعوت دینے کے لیے مختلف شہروں کے بادشاہوں کی جانب نامہ برروانہ فرما رہے ہیں، ایک نامہ بر ایران کی طرف کوچ کر رہا ہے، ایران پہنچتے ہی دارالسلطنت میں بادشاہ کے دربار میں پہنچا، ایران پر خسرو پرویز کی حکمرانی ہے، قاصد نے خط دیا، خط پڑھنے کے بعد اس نے خط کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہوا میں اچھال دیا اور دعوتِ اسلام کو اپنی رعونت سے ٹھکرا دیا، نامہ بر مدینے کے راستے پر سبک روی سے چل پڑا، دربارِ رسالت میں پہنچتے ہی تمام تفصیلات بتائیں، سید عالم ﷺ نے پیشن گوئی فرمائی کہ جس طرح سے اس نے میرے خط کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہوا میں اچھالا ہے ایسے ہی اللہ اس کی حکومت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کے تخت کی رعونت کو ہوا میں اچھال دے گا، زمانہ گزرتا رہا یہاں تک کہ سیدنا فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دور آیا، آپ کا دبدبہ پورے عرب پر تھا، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سپہ سالاری میں ایران کی سرزمین پر مجاہدینِ اسلام نے اسلام کا پرچم نصب کیا اور اس طرح مخبرِ صادق ﷺ کی پیشن گوئی پوری ہوئی اور اس کے تخت و تاج تاراج ہو گئے، اس کی حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی، اب آفتاب اسلام ایران کی سرزمین پر پورے آب و تاب کے ساتھ جگمگا رہا ہے، زمانے گزرتے رہے، یہاں تک کہ ایران کے صوبہ خراسان کے دارالسلطنت سمنان میں حسینی سادات کی حکمرانی آئی، سلطان ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ اس کے حکمراں تھے، کسی چیز کی کوئی کمی نہ تھی، عیش و آرام کے سارے اسباب مہیا تھے، بڑے بڑے محلات میں زندگی کے شب و روز بڑے ہی پرسکون گزر رہے تھے، بس کمی اگر کسی چیز کی تھی تو ایک شہزادے کی تھی، جو تخت و تاج کا وارث بنے، جو امورِ سلطنت کو آگے بڑھائے، منتیں، دعائیں اور التجائیں ہوتی رہیں، ملکہ سلطان بیگم اس سلسلے میں سخت فکرمند رہا کرتی تھیں، ایک دن نماز سے فارغ ہونے کے بعد رونے لگیں یہاں تک کہ آپ کی ہچکیاں بندھ گئیں، نیند کا غلبہ ہوا، خواب میں شیخ احمد یسوی رحمۃ اللہ علیہ نے بشارت دی کہ تمھارے بطن سے آسمانِ ولایت کا آفتاب طلوع ہونے والا ہے، دوسری طرف سلطان ابراہیم کو خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرزند کی بشارت عطا فرمائی، پھر دنیا نے دیکھا کہ سلطان مخدوم اشرف سمنانی کی صورت میں آسمانِ ولایت پر آفتاب طلوع ہوا۔

زمانے گزرتے رہے، یہاں تک کہ سلطنت کا بارِ گراں اس کے ناتواں کاندھے پر آیا، دس سال تک عدل و انصاف کے ساتھ امورِ سلطنت کو سنبھالا، اس کے بعد تخت کو ٹھوکر مار دی،، سلطنت سے کنارہ کش ہو گئے، فلک بوس محلات کو خیر آباد کہہ دیا، کیوں نہ ہو کہ اسے سلطنتِ ولایت کا تاجدار بننا تھا، بوریہ نشیں ہو کر لوگوں کے دلوں پر حکومت کرنا تھا، سمنان سے روانہ ہوئے، صحرا نوردی، اور دشت پیمائی کرتے ہوئے، پرخطر راستوں کو طے کرتے ہوئے ہند کی سرزمین پر پہنچے، اس زمانے

میں پنڈوہ شریف بنگال کی سرزمین پر حضرت علاء الحق پنڈوی گنج نبات رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں رشد وہدایت، سلوک ومعرفت کی بزم آراستہ تھی، چنانچہ راہِ حق کا یہ راہی اس عرفانی بزم میں پہنچا، ان کے دست مبارک پر شرفِ بیعت سے مشرف ہوا، سلوک کی راہیں طے کیں، چلہ کشی فرمائی۔

یہ آفتاب اب پوری آب وتاب کے ساتھ آسمانِ ولایت پر نصف النہار کی طرح چمکنے لگا، اس کی روشنی سے ضلالت و گمراہیت کے گھپ اندھیرے کافور ہونے لگے، راہِ راست سے بھٹکے ہوئے آہوسوئے حرم جانے لگے، یہاں تک کہ ہند کے مختلف شہروں کو فیوض و برکات سے مالا مال کرتے ہوئے اور مختلف گوشوں میں اسلام کی شمع فروزاں کرتے ہوئے کچھوچھہ مقدسہ کی سرزمین پر وارد ہوئے، مسندِ رشد و ہدایت آراستہ ہوئی، ہدایت کے چراغ ہرسو جلنے لگے، ضلالت وگمراہی کی دبیز چادر چاک ہونے لگی، معرفت کے جام چھلکنے لگے، رندانِ معرفت سیراب ہونے لگے، پیمانہء عرفان لبریز ہونے لگا، بادہ خوارِ سلوک میکدۂ مخدومی سے لبالب جام پینے لگے اور ایسے ہوش میں آئے کہ کبھی مدہوشی طاری نہ ہوئی ایسے سنبھلے کہ گرتوں کو بھی سنبھالنے لگے، ایسے مخمور ہوئے کہ کبھی یہ خمار اتر نہ سکا، لوگ آپ کے ہاتھ پر تائب ہوتے رہے، لاکھوں لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے، یہاں تک کہ یہ آفتابِ ولایت ۲۸ رمحرم الحرام کو غروب ہوگیا لیکن آج تک اس کی کرنیں گم گشتگانِ راہ کو جادۂ مستقیم پر گامزن کررہی ہیں، آپ کا آستانہ مرجعِ خلائق ہے، زمانے کا ٹھکرایا ہوا، دکھ کا مارا ہوا، آسیب زدہ آپ کے در سے مسکراتے ہوئے لوٹتا ہے۔

☆☆☆

شخصیات:

عارفِ باللہ حافظ اسحاق احمد قادری: حیات وخدمات

از: مولانا قمر اخلاقی امجدی: گوا

☆☆☆

عارف باللہ فنافی الشیخ استاذ الحفاظ حضرت الشاہ اسحاق احمد چشتی علیہ الرحمہ کی ولادت کھرسا شریف ضلع سیتامڑھی میں تقریبا آج سے سوسال قبل ہوئی تاریخ ولادت کا باقاعدہ علم نہ ہوسکا۔

سلسلہ نسب اس طرح ہے۔

حافظ اسحاق احمد چشتی بن چولہائی میاں بن چھیتن میاں بن مرادمیاں علیہم الرحمہ۔

عکس حیات

آپ کے والد صاحب صوفی چولہائی میاں صوم وصلوٰۃ کے پابند اور انتہائی خوبصورت تھے، چہرہ پر ہمہ وقت جلال الٰہی اور روحانیت سایہ فگن رہتی۔ آپ کے خانوادے نے تعلیم وتعلم اور روحانی خدمات کے ذریعہ ریاستی سطح پر بالخصوص اور ملکی سطح پر بالعموم جو انقلاب پیدا کیا ہے وہ تاریخ کا جز لاینفک حصہ ہے، حضرت حافظ الشاہ اسحاق احمد چشتی علیہ الرحمہ گاؤں کے آپ معلم اول اور اول حافظ قرآن تھے، آپ تاحیات اپنے گاؤں کھرسا شریف کے خطیب وامام اور مدرس رہے اور بلا اجرت خدمت دین انجام دیتے رہے، عبادت وریاضت میں اپنی مثال آپ تھے، تعلیم کی ابتدا کہاں سے ہوئی زیر تحقیق معاملہ ہے، البتہ حفظ کی دستار بندی مونگیر سے ہوئی تھی آپ کی حیات مبارکہ کے بہت سارے انمٹ یادیں عدم وسائل کے سب منظر عام پر نہ آسکے، آپ کو شبلی وقت جنید دوراں حضرت سید سمیع احد مونگیری علیہ الرحمہ سے خلافت واجازت حاصل تھی، اور ضلع مظفرپور مقام مہسی کی مشہور اور قدیم چشتی بزرگ حضرت سید داتا مرزا حلیم شاہ چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تاریخی خانقاہ سے حضرت سید محمد حسین علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر بیعت تھے، حضرت حافظ الشاہ اسحاق احمد چشتی علیہ الرحمہ کثیر الکرامات بزرگ تھے، صبح بیدار ہوتے ذکرواذکار سے فراغت کے بعد یومیہ پانچ پارے قرآن کریم کی تلاوت کرتے پھر گاؤں کے وہ بچے جو آپ کے پاس تعلیم حاصل کرتے ان کو نماز فجر کے لیے بیدار کرتے،، آپ نے شہر سیتامڑھی راجوپٹی میں بھی درس وتدریس کی ذمہ داری برسوں نبھائی ہے اور لوگوں کے پژمردہ قلوب کے اندر ایمانی حرارت پیدا کیا، آج راجوپٹی کی جامع مسجد جس پر دیوبندی خیال کے لوگوں کا قبضہ ہے اس کی تعمیری شکل آپ ہی نے دی تھی واضح رہے کہ اس وقت وہاں کے باشندے سنی صحیح العقیدہ تھے موجودہ دنوں ان کے عقائد متغیر ہو چکے ہیں۔ آپ ہند ومسلم سب کی نظر میں یکساں صاحب عزت تھے، گاؤں پر علمی اور روحانی دبدبہ تھا، عورتیں آپ کو دیکھ کر پردے میں ہو جاتیں، خلاف شرع کسی کو بھی نہیں بخشتے اور اصلاح فوری کیا کرتے، آپ کا خانوادہ ایک زمانے سے علمی اور روحانی رہا جس کے سبب آپ کے اولا د واجداد نے جس طرح قوم وملت کے فلاح وبہبود اور مذہب ومسلک کی آبیاری کی اور جس طرح ناقابل فراموش خدمات انجام دیا ہے وہ تاریخ کھرسا ہا نہیں ریاست بہار کی تاریخی حصہ ہے۔

رسم مناکحت

ایک خدا رسیدہ بزرگ حافظ عبدالکریم مرحوم مرزا پور سیتا مڑھی کی دختر نیک محترمہ وسیلن خاتون سے رسم مناکحت طے پائی تھی، جن کے بطن سے سات اولاد ہوئیں، تین اناث چار ذکور۔

اولا و امجاد

(۱) محدث جلیل استاذ العلما والمشائخ حضرت علامہ الیاس احمد رضوی علیہ الرحمہ محدث جلیل علیہ الرحمہ علاقہ مشہور اور کثیر التلامذہ استاد تھے، حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے تربیت یافتہ بریلی شریف کے قدیم فارغین سے تھے، اور بہار کے مشہور علمی دینی درسگاہ دارالعلوم علیمیہ دامودر پور میں کئی سالوں تک منتہا طلبہ کو علمی تشنگی بھی بجھاتے رہے، بھی رہے، پھر شمس العلوم باڑا میں ایک زمانہ تک تدریسی خدمات انجام دیا، علاقہ موجودہ بیشتر علما حضرت علامہ الیاس علیہ الرحمہ کے شاگرد ہیں، قطب زماں جلالۃ المشائخ حضرت یوسف تیغی علیہ الرحمہ کے خلیفہ اول تھے، اپنے گاؤں کے اول سند یافتہ روحانی عالم دین تھے، علم ظاہری کے ساتھ باطنی علوم میں کمال حاصل تھا، (۲) صوفی اشفاق احمد یوسفی مرحوم قطب زماں جلالۃ المشائخ حضرت یوسف تیغی علیہ الرحمہ کے تربیت یافتہ تھے صوفیانہ مزاج رکھتے تھے گھر پر رہ کر ہی پریشان حال لوگوں کی امداد فرماتے اور دعا تعویذ میں کمال حاصل تھا (۳) شیخ طریقت طبیب ملت حافظ الشاہ اخلاق احمد نوری یوسفی تیغی علیہ الرحمہ، حضرت طبیب ملت تمام شہزادگان میں معروف ومقبول تھے، حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے دست حق پر بیعت رکھتے تھے، مظفر پور کی ایک غیر معروف بستی سمرا میں آج سے بیالیس سال قبل دارالعلوم ملت اسلامیہ تیغیہ کی بنیاد ڈالی اور پورے بہار میں اس ادارہ کے ذریعہ تعلیمی انقلاب پیدا کیا، مذہبی اور دینی فروغ واشاعت کے لئے علمائے کرام اور حفاظ عظام کی مستحکم جماعت تیار فرمائی، آپ بھی علم ظاہری اور باطنی میں یکتائے زمانہ تھے معاصر علما ومشائخ میں اہم مقام رکھتے تھے، بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے، قطب زماں جلالۃ المشائخ حضرت یوسف تیغی علیہ الرحمہ کے مقرب خلیفہ تھے (۴) شیخ طریقت مولانا مشتاق احمد اشرفی علیہ الرحمہ، شیخ اعظم حضرت علامہ سید اظہار اشرف کچھوچھوی کے خلیفہ تھے ، اور بریلی شریف سے فارغ تھے، لدھیانہ کی سرزمین پر بڑی خدمات ہیں، کئی ایک مساجد کی تعمیر فرمائی اور اسی سرزمین کو رشد وہدایت کا مرکز بنائے رکھا۔

اس تعلق سے تفصیلی خدمات پر منحصر چمنستان اسحاقیہ نامی رسالہ زیر ترتیب ہے۔

دختران

مرحومہ خیر النسا خاتون، مرحومہ زیب النسا، مرحومہ کی گاؤں کھرساہا شریف میں بڑی خدمات ہیں، عورتوں کے اندر زندگی بھر دینی مذہبی تعلیم کو فروغ دیا، گاؤں کی معلمہ اول تھیں، گاؤں کی بیشتر خواتین آپ کی شاگردہ ہیں۔ مرحومہ قریشا خاتون

واضح رہے کہ آج بھی یہ خانوادہ دینی اعتبار سے علاقہ میں اپنی مثال آپ رکھتا ہے۔

کشف وکرامات

جب خانقاہ سمعیہ مونگیر شریف سے تعلیم حاصل کر کے گاؤں واپس ہوئے تو گاؤں میں اس سے قبل کسی نے حافظ کو نہیں دیکھا تھا لوگوں نے اپنی زبان میں کہا ''پڑھ کے آئیلا ہا تو کچھ دیکھوا'' آپ نے اپنی نظر اٹھائی سامنے شیشم کے ایک پیڑ پر ایک پرندہ تھا اس پر نظر ڈالی وہ وہیں گر کر فوت ہوگیا، گاؤں میں ایک مرتبہ جناب مسلم صاحب کے گھر ایک سانپ کے بچے کو مار دیا گیا پورا گھر خون خون ہوگیا لوگ کافی پریشان ہوئے کہ سانپ تو چھوٹا تھا اتنا خون کہاں سے آیا پھر آپ کو خبر ملی آپ تشریف لائے اور مردہ سانپ کے بچہ کو ایک چھینٹی سے

ڈھانپ دیا اور روم کچھ گھنٹوں کے لئے بند کروا دیا پھر روم کھولا گیا نہ تو مردہ سانپ تھا اور نہ ہی خون۔ انتقال سے قبل ہی حضرت مفتی منظور صاحب کو اپنی نماز جنازہ پڑھانے کی خبر دے چکے تھے، لہذا استاذ العلما مفتی منظور علیہ الرحمہ نے نماز جنازہ نے پڑھائی، انتقال سے قبل ہی اپنے محب دولا راور تے جا صاحبان کو قبرستان لے گئے اور جہاں حضرت کے والد صوفی چولہائی میاں کی قبر تھی وہیں پر آپ نے کہا جمعہ کو میری قبر اسی جگہ تیار کر دینا جبکہ موجود صاحبان نے اپنی زبان ہی میں کہا ''چچا ایسے کیسے بول رہے ہیں آپ تو ابھی تندرست ہیں'' پھر قبرستان سے گھر تشریف لائے اور آپ نے گھر میں موجود اناج کو تقسیم کیا، تقسیم کرنے کے بعد ایک حصہ اپنے لئے الگ کرتے ہوئے کہا یہ میرا حصہ ہے اور جو باقی رہا آپ لوگوں (وارثین) کا ہے، اور پھر اپنے حصہ والے اناج کو غریبوں میں خیرات کر دیا پھر جمعہ کو ہی آپ عازم آخرت ہوئے، جن وانس سب نماز جنازہ میں شریک تھے کئی عاملین اس وقت موجود تھے ان کا بیان ہے کہ حضرت کی نماز جناہ میں انسان سے زیادہ جن نے شرکت کی، اور پورا گاؤں جنات سے بھر گیا۔

جنات کی نماز جنازہ

موجودہ چوکیدار کے والد صاحب محترم جناب اسلام صاحب مرحوم کی روایت کہ انھوں نے ایک سانپ کو مار کر گاڑ دیا اس وقت حضرت کہیں سے فورا تشریف لائے اور کہا سانپ کو آپ نے کیوں مار دیا ہے وہ جن تھا ابھی میں نماز جنازہ پڑھا کر آرہا ہوں۔

وصالِ حبیب یار

دین وملت کا یہ عظیم داعی بروز جمعہ ۲۸ صفر المظفر 1386ھ بمطابق ۱۹۶۶ء کو وصال حبیب کے لیے عازم سفر ہوا، انتقال پر ملال کی خبر سے پورے علاقے میں کہرام بر پا ہو گیا۔

قبر سے خوشبو:

روایت ہے کہ ہے کہ آپ کے انتقال کے بعد ایک بار ایک سراخ آپ کے قبر انور سے ظاہر ہوا جس سے ایک زمانہ تک دل ربا خوشبو پھیلتی رہی کئی لوگوں نے اس خوشبو کو محسوس کیا۔

عرس پاک

ہر سال ۲۸ رصفر المظفر کو آپ کا عرس پاک کھرساہا شریف میں منعقد کیا جاتا ہے۔

☆☆☆

استاد دارالعلوم اہل سنت اشرفیہ واشرف البنات ویرنا
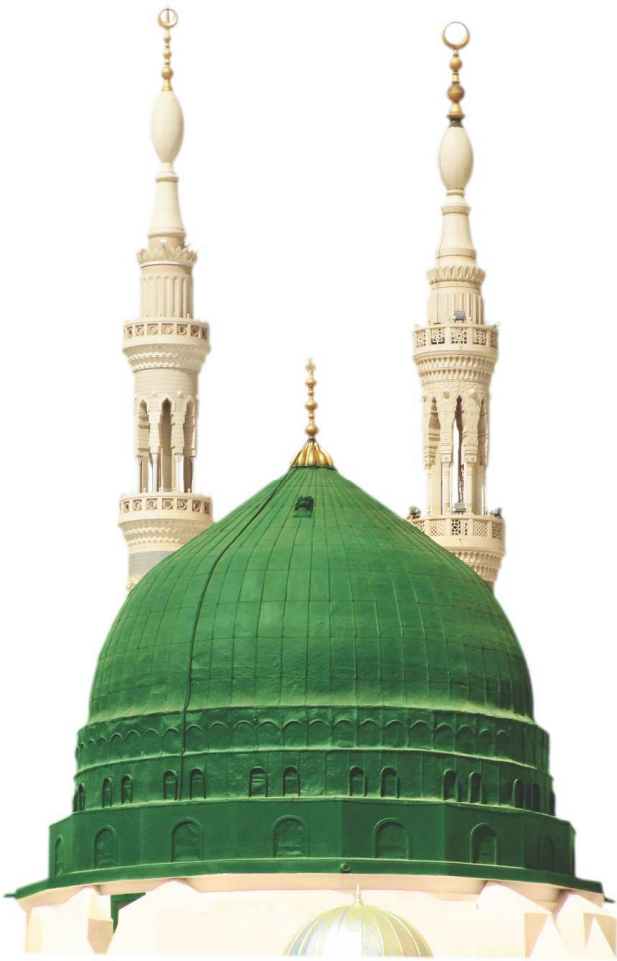
شخصیات:

ڈاکٹر نجم القادری: حیات وخدمات

از: محمد فیضان رضا علیمی، رضاباغ گنگٹی

☆☆☆

قارئین گرامی قدر! جس وقت سہ ماہی پیام بصیرت سیتامڑھی کا قیام عمل میں آیا اسی وقت ہماری جماعت کے ارکان نے یہ بات طے کی تھی کہ اتری بہار کے نامور علما وفضلا جن کی عمر پچاس سال سے تجاویز کر چکی ہے ان کی سوانح حیات سہ ماہی کے ہر شمارہ میں شائع کریں گے۔ تاکہ نئی نسل اپنے موجودہ صاحبانِ علم وفضل کی شخصیات سے مستفید ومستفیض ہوں۔ لیکن کچھ مشغولیت اور جہانِ فقیہ اسلام کی اشاعت کی وجہ سے تاخیر ہوگئی ہے البتہ اس شمارہ سے ہم نے اس کار خیر کی شروعات کر دی ہے اور اس مرتبہ ہم نے ماہرِ رضویات ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری صاحب قبلہ اور فقیہِ اہلِ سنت مفتی عبدالحمید حامد القادری صاحب قبلہ کی حیات وخدمات کو شائع کر رہے ہیں۔ مطالعہ کریں اور اگر آپ کے علاقہ میں ایسی کوئی علمی شخصیت ہو تو ان کی سوانح حیات ہم تک ضرور پہنچائیں۔ [ادارہ]

روئے زمین پر ربِ ذوالجلال نے ایک سے بڑھ کر ایک گوہرِ نایاب کو پیدا کیا ہے، اور جب تک دنیا رہے گی یہ زمین رب کے فضل وعطا سے مستفید ومستفیض ہوتی رہے گی۔ اتری بہار کے موجودہ نامور علما وفضلا کی ٹیم میں ایک نمایاں نام محقق رضویات، صاحبِ قرطاس وقلم، استاذ العلما حضرت مولانا ڈاکٹر غلا مصطفیٰ نجم القادری زید شرفہ کا ہے۔ آنے والی سطروں میں ڈاکٹر صاحب موصوف کی حیات وخدمات کے چند پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اسم گرامی: مولانا ڈاکٹر غلام مصطفی نجم القادری ولدیت مرحوم عابد حسین

شجرہ نسب: خاندانی شجرۂ نسب کے لحاظ سے شیخ صدیقی، والد عابد حسین مرحوم، دادا محمد حنیف (گماشتہ)، پردادا عبدالکریم (گماشتہ)۔ دادا اور پردادا عہد برطانیہ میں زمین داری کے باوقار منصب ''گماشتہ'' کے عہدے پر مقرر تھے۔

سن ولادت: آپ کی پیدائش کی تاریخ کا تو درست اندازہ نہ ہوسکا البتہ اسناد وغیرہ کے لحاظ سے آپ کی ولادت ۱۱/ جون ۱۹۶۵ء میں ضلع سیتامڑھی کے تھانہ باجپٹی کے قریہ رودولی میں ہوئی۔

خاندانی ماحول: خاندانی ماحول کے بارے میں ڈاکٹر صاحب خود ہی لکھتے ہیں؛ ''میرا خاندان شروع سے ہی پورے گاؤں کا معزز، مفتخر، منتخب اور تعلیمی لحاظ سے ہمیشہ ممتاز رہا ہے''

اس سے اندازہ لگانا آسان ہوگا کہ ایسے خاندان میں پروردہ فرد کی اپنی حالت کیسی ہوگی۔

تعلیم وتربیت: آپ کی ابتدائی تعلیم ناظرہ قرآن مجید تک والد ماجد عابد حسین مرحوم اور نانا حافظ محمد ادریس مرحوم سے ہوئی، بعدہ جامعہ قادریہ مقصود پور میں اعدادیہ میں داخلہ لیا اور مسلسل رابعہ تک کی تعلیم حضور شیر بہار مفتی اسلم رضوی علیہ الرحمہ کے شفقت ومحبت کے زیر سایہ رہ کر حاصل کی، اس کے بعد حضور شیر بہار کے ہی حکم و ایما پر مرکز عقیدت ومحبت بریلی شریف اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کے لیے حاضر ہوئے اور پھر وہیں سے فضیلت تک کی تعلیم حاصل کی اور

دستار فضیلت سے نوازے گئے۔

اسناد: مولوی (فرسٹ ڈویژن) بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ پٹنہ، فاضل دینیات جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف اور ایم اے و پی ایچ ڈی میسور یونیورسٹی میسور کرناٹک سے حاصل ہے۔

پی ایچ ڈی: آپ نے ۲۰۰۲ء میں امام عشق و محبت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کی حضور آقا کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم سے والہانہ عقیدت ومحبت اور الفت پر بعنوان ''امام احمد رضا اور عشق مصطفیٰ'' ایک تحقیقی وتدقیقی مقالہ میسور یونیوسیٹی میسور کرناٹک کو پیش کیا اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ جو آپ کی زندگی کا ایک عظیم سرمایہ ہے اور یہی تحقیقی مقالہ علمی وفکری دنیا میں آپ کی شناخت کا ضامن بنا۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد اپنے مادر علمی میں جامعہ قادریہ مقصود پور، اورائی ضلع مظفر پور میں بلائے گئے۔ پھر وہاں سے دارالعلوم قادریہ غوثیہ مرغیا چک، ضلع سیتامڑھی، بعدہ الجامعۃ الرضویہ مغل پورہ، پٹنہ۔ تشریف لے گئے، اور دارالعلوم شاہ جماعت ہاسن وغیرہ کئی مدارس میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے ہوئے اس وقت دارالعلوم رضویہ حبیبیہ، کٹک، اڑیسہ میں صدرالمدرسین کے عہدہ پر فائز ہیں۔

بیعت و ارادت: سیدی سرکار تاجدار اہل سنت، شہزادۂ اعلیٰ حضرت، حضور مفتی اعظم ہند علامہ مفتی مصطفیٰ رضا خان نوری قادری علیہ الرحمہ بریلی شریف سے آپ کو بیعت وارادت حاصل ہے۔

خلافت و اجازت: حضور تاج الشریعہ، جانشین مفتی اعظم ہند، مرشد گرامی وقار مفتی محمد اختر رضا خان قادری ازہری قدس سرہ الغنی بریلی شریف، ممتاز الفقہاء محدث حضور کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری امجدی صاحب اطال اللہ عمرہ گھوسی شریف، یوپی، حضور امین شریعت علامہ مولانا سبطین رضا خان قادری قدس سرہ بریلی شریف، حضور گلزار ملت سید شاہ اسماعیل واسطی صاحب مدظلہ العالی مسولی شریف بارہ بنکی، یوپی اور حسین ملت حضرت سید حسین احمد واحدی معروف بہ حسین میاں صاحب قبلہ بلگرام شریف جیسے عظیم بزرگان اہل سنت سے آپ کو خلافت واجازت حاصل ہے۔

فتویٰ نویسی: اس تعلق سے ڈاکٹر صاحب موصوف نے خود راقم الحروف سے بتایا کہ ''بریلی شریف میں دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف کے زیر نگرانی شروع کیا تھا، مگر افسوس اس بات کا ہے کہ زیادہ عرصے تک یہ سلسلہ قائم نہیں رہ سکا''۔

ادبی ذوق: ادبی و ذوق وشوق آپ کے اندر زمانہ طالب علمی سے ہی موجزن تھا آپ بارہا لکھنے پڑھنے میں مشغول رہتے اس تعلق سے آپ نے خود بتایا کہ ''بریلی شریف زمانۂ طالب علمی ہی سے یہ شوق انگڑائی لینے لگا تھا، جس کو دوآتشہ کیا حضور صدرالعلماء علامہ تحسین رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمہ صدر مدرس جامعہ رضویہ منظر اسلام کو شروع میں چھوٹا چھوٹا مضمون لکھ کر انہیں کو دکھاتا اور پھر ''ماہنامہ استقامت'' میں بھیجتا اور جب چھپ جاتا تو دل خوشی سے جھومنے لگتا اور پھر تو یہ سلسلہ مسلسل جاری رہا، ہندو پاک کے مؤقر جرائد و رسائل میں تحقیقی مضامین چھپتے رہے، چھوٹے بڑے کم وبیش ۱۰۰ر مضامین ہوں گے، جس میں کچھ ضائع ہو گئے اور بہت کچھ محفوظ ہیں۔'' آپ کے اس اقتباس سے آپ کے ادبی ذوق وشوق اور مضامین و مقالا جات سے دلچسپی کا صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ لیکن افسوس کے حالات زمانہ اور بیماری نے آپ کو اس قدر مجبور کر دیا ہے کہ اس وقت آپ کی تحریر سے ہم جیسے نوخیز قلم کار محروم ہیں۔

قلمی کاوش: آپ کے نوک قلم سے تقریباً ۱۵ر کتابیں اب تک منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔ جن میں سب سے ضخیم ''امام احمد رضا اور عشق مصطفیٰ'' ہے۔ جو تقریباً ۷۰۰ر صفحات پر مشتمل ہے۔ دیگر مطبوعہ تصانیف ذیل میں رقم کیے جاتے ہیں:

(۱) امام اہل سنت شخصیت اور علمی کمال
(۲) علم، عمل، عشق اور امام احمد رضا
(۳) قطب مسولی
(۴) باتوں سے خوشبو آئے
(۵) حضور مجاہد ملت اور مسلک اعلیٰ حضرت

(۶) باتیں، جوحیات کے لیے آبِ حیات ہیں
(۷) محققِ بریلوی اور جدید اصولِ تحقیق
(۸) صلح کلیت: تعارف، نقصانات اور تدارک
(۹) حضور تاج الشریعہ اور مسلک اعلی حضرت
(۱۰) محدثِ بریلوی کے عشق کے تشکیلی عناصر

شعروشاعری: شعر وسخن کا معاملہ یہ رہا کہ جب کبھی تصورِ مدینہ دل میں ابال کھاتا ہے تو کچھ نہ کچھ اشعار زینتِ قرطاس ہوجاتے ہیں۔ حمد، نعت، منقبت، تضمین وسلام، سب کی مجموعی تعداد 50 سے زیادہ ہے۔ جس کو اگر یکجا کر دیا جائے تو ایک مجموعہ اشعار کا تیار ہوجائے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کی شخصیات پر اور بھی کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس وقت بیمار چل رہے ہیں اس لیے جتنی معلومات انھوں نے دیا اسی کو زیبِ قرطاس کر دیا گیا ہے۔ ان کے تلامذہ و متعلقین سے گزارش ہے کہ ان کی حیات ہی میں ان کے گم شدہ پہلوؤں پر خامہ فرسائی کریں اور ان کی خدمات سے دنیا کو روشناس کرائیں۔ میں اسی سلسلے کی پہل کی ہے امید کرتا ہوں۔ یہ چند سطریں دوسرے محرر کے مواد کا کام کریں گی۔

اللہ کریم مولانا غلام مصطفیٰ نجم القادری صاحب قبلہ کو صحت کاملہ و عاجلہ عطا کرے اور ان کا سایہ اہل سنت پر تادیر قائم رکھے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

از: محمد فیضان رضا علیمی، رضاباغ گنگٹی
مدیر اعلیٰ: سہ ماہی پیامِ بصیرت، سیتامڑھی۔

☆☆☆
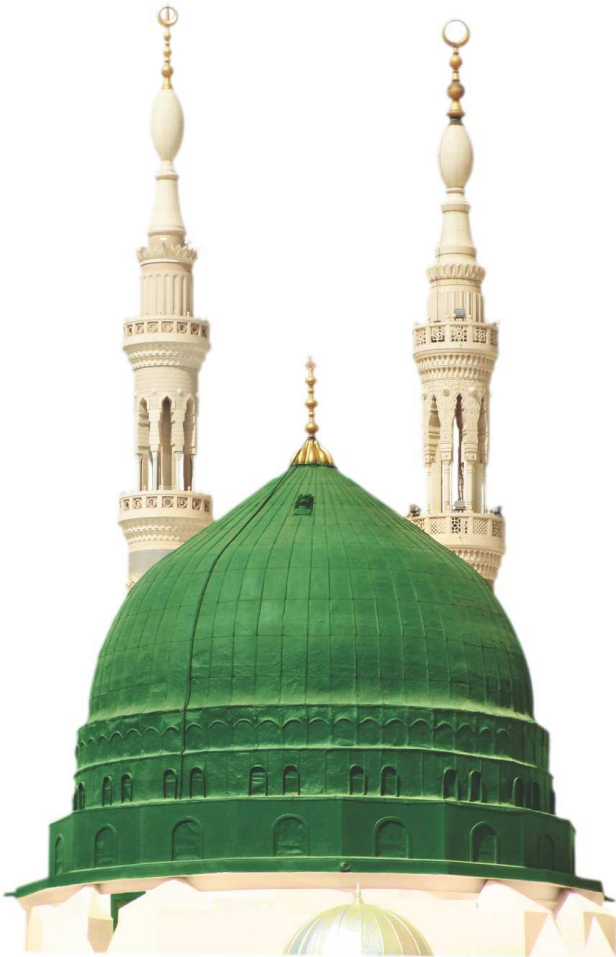
شخصیات:

مفتی محمد عبدالحمید حامد القادری: حیات وخدمات

ازقلم: مفتی محمد ریحان رضا تیغی مصباحی

☆☆☆

باسمہ تعالیٰ وتقدس

اسم گرامی: محمد عبدالحمید

ادبی نام: حامد القادری

القاب: جلالۃ الفقہا، فقیہ اعظم بہار، مرشد الھداۃ، عمدۃ الواصلین

ولدیت: محمد نمازی ابن محمد غیور علی۔

ولادت: آپ کی ولادت با سعادت ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۶ء کو صوبہ بہار کے ضلع مظفر پور میں واقع ایک گاؤں تھتیاں شریف میں ہوئی۔ اور یہی آپ کا مسکن ہے جو مرجع خواص وعوام ہے۔

خاندانی ماحول: تھتیاں شریف مکمل دیہاتی آبادی پر مشتمل ہے۔ سلسلہ قادریہ آبادانیہ کے عظیم بزرگ حضور سیدنا سرکار تیغ علی علیہ الرحمہ نے اس کوردہ کو اس طرح با فیض بنا دیا کہ پہلے سیدنا سرکار نمازی علیہ الرحمہ کو اپنے حلقۂ ارادت میں شامل فرمایا۔ پھر بائیس (۲۲) سال اپنی بابرکت صحبت میں رکھ کر علم ظاہر و اسرار باطن سے آراستہ فرما کر اپنی خلافت سے نوازا۔ پھر تو اس خاندان کی قسمت کا ستارہ آسمان عزت وعظمت پر چمکنے لگا۔ جس خاندان میں کوئی حرف شناس تک نہ تھا وہاں خدا شناسی، علما وحفاظ کی خدمات دینی اور مرد حق آگاہ کی دعائے سحر گاہی سے پورا علاقہ علم وآگہی اور سنیت وشریعت کی تابندگی سے جگمگ جگمگ کرنے لگا۔ الحمد للہ بروقت تقریباً ایک درجن علما، حفاظ وقراء اور مستند مفتی کی موجودگی اس خاندان کے روشن مستقبل کی واضح علامت ہے۔

تعلیم وتربیت: آپ کی نشو ونما ایک علمی گھرانے اور دینی ماحول میں ہوئی تھی اس لیے آپ بچپن ہی سے صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ آپ کے والد ماجد حضور سرکار نمازی علیہ الرحمہ کی دعائے با اثر نے آپ کو بچپن ہی سے دینی تعلیم کا دلدادہ بنا دیا تھا۔ آپ نے تعلیمی سفر کا آغاز اپنے علاقے کی مسجد سے کی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ علیمیہ انوار العلوم دامودر پور، مظفر پور بہار میں حصول علم کے لیے تشریف لے گئے اور اپنے زمانے کے مایہ ناز علما ومشائخ سے اکتساب علم وفیض کیا اور ۱۹۶۴ء میں علم وفضل کے خلعت فاخرہ سے سرفراز ہوئے۔

دستار فضیلت کے بعد الجامعۃ الاشرفیہ کے باغ فردوس سے علم وفن کے گلہائے شگفتہ اپنے دامن کشکول میں سمیٹے اور دورۂ حدیث کی تعلیم مکمل کر کے ۱۹۶۵ء میں دستار بندی حاصل کی۔ جن مقدس ہستیوں کی شمع علم سے آپ نے علمی روشنی پائی ان میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) جلالۃ العلم ابو الفیض حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان۔

(۲) جامع معقولات ومنقولات حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ

(۳) حضرت مولانا شاہ علاء الدین طالب القادری علیہ الرحمہ۔

تدریسی خدمات: جب آپ مختلف علوم وفنون کی تحصیل سے فارغ ہوکر مسند تدریس پر جلوہ گر ہوئے تو طالبان علوم نبویہ آپ کی علمی انجمن میں شریک ہوکر اپنی علمی تشنگی بجھانے لگے۔ آپ کی تدریسی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔متعدد دینی مدارس میں بحیثیت صدر مدرس ومعلم آپ نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔مدرسہ شمس العلوم گھوسی، مدرسہ مصباح العلوم جعفر پور مظفر پور، مدرسہ احسن المدارس قدیم کانپور، جامعہ مدینۃ العلوم پھکولی شریف، مدرسہ فیض العلوم جمشید پور۔

تعمیری خدمات: آپ نے بہت سارے مدارس ومساجد اور جدید طرز کے مکاتب قائم فرما کر قوم مسلم کو حسین تحفے عطا کیے۔ مثلاً آپ نے لوہردگا جھارکھنڈ میں مدرسہ قادریہ کنزالایمان ، چانہو ضلع رانچی میں مدرسہ خزائن العرفان ، سمڈ یگا میں رضا جامع مسجد اور جامع فیض الرضا کا قیام فرمایا اور ۲۰۱۸ء میں سرکار نمازی خانقاہ قادری تھتیاں شریف اور ۲۰۲۱ء میں جامعہ امہات المؤمنین خانقاہ قادری تھتیاں شریف قائم کر کے دین وسنیت کا ایک بڑا کارنامہ انجام دیا۔ فجزاہ اللہ خیرا

بیعت وارادت وخلافت وسجادگی: آپ نے اپنے والد گرامی حضور سیدنا سرکار نمازی خلیفہ سیدنا سرکار تیغ علی علیھما الرحمہ سے شرف بیعت حاصل کیا اور جب سرکار نمازی علیہ الرحمہ ۱۹۷۰ء میں سفر حج و زیارت حرمین شریفین کے لیے روانہ ہوئے تھے تو میلاد پاک کی محفل منعقد کر کے آپ کو اپنی خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا۔اور ۱۹۷۹ء میں جب آپ ۱۰ نومبر ۱۹۷۹ء کو مکہ مکرمہ میں تھے تو سرکار نمازی نے مظفر پور رجسٹری آفس میں آپ کو سجادگی اور پھکولی شریف خانقاہ قادری اور مدینۃ العلوم کی ساری جائداد ومکانات کا متولی ونگراں اور تاعمران سب پر قابض ودخیل فرمایا۔

نکاح: ۱۹۶۵ء میں جب آپ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں زیر تعلیم تھے تو موجودہ ضلع ویشالی کے ایک گاؤں محمد پور پوجھا گورول کے ایک نہایت شریف گھرانے میں عالی جناب مولوی عبدالعزیز صاحب کی صاحبزادی سے نکاح ہوا۔ اس نکاح کی تاریخ ساز وقابل رشک روایت یہ قائم ہوئی کہ سائیکل گھڑی کے بدلے جہیز میں بغیر کسی مطالبہ کے بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، طحاوی شریف، جلالین شریف، بیضاوی شریف، مشکوٰۃ شریف، شرح جامی وغیرہ کتابیں دولھن کے ساتھ گھر کو بارونق اور بافیض بنانے میں مددگار ثابت ہوئیں۔جن کتابوں سے آپ کے لڑکوں کے علاوہ کئی سسرالی رشتہ دار بافیض ہوکر مصباحی عالم وفاضل بنے۔

اولا دامجاد: الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ۴ رلڑکوں اور ۵ رلڑکیوں کے ذریعہ مذہب حق کو اگلی نسلوں تک منتقل کرنے کی سعادت عطا فرمائی۔ چاروں لڑکے علم دین سے آراستہ اور پانچوں لڑکیاں سنت وشریعت کی پابندی کے ساتھ اپنے سسرال والوں کو مذہبی ماحول میں ڈھالنے کا عظیم کام انجام دے رہے ہیں۔ چاروں لڑکے اپنی بیویوں کے ہمراہ اور چار بیٹیاں بحمدہ تعالیٰ حرمین شریفین کی حاضری، عمرہ کی ادائیگی اور رسول اکرم ﷺ کی شفاعت کے حق دار بن چکے ہیں۔صرف ایک بیٹی تاہنوز اس سعادت سے محروم ہے اور ان شاء اللہ جلد ہی یہ داغ محرومی ان کے نامۂ اعمال سے مٹنے والا ہے۔

فتویٰ نویسی: ۶۷، ۱۹۶۸ء میں جب حضرت رئیس القلم علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ نے کلکتہ سے پندرہ روزہ جام کوثر جاری فرمایا اور اس میں ایک مستقل کالم دارالافتا ادارۂ شرعیہ مغربی بنگال کے نام سے شروع کیا تو بحیثیت مفتی اس کی ذمہ داری آپ کو عطا ہوئی۔آپ نے کہا کہ میں نے افتا کا کورس نہیں کیا ہے تو علامہ ارشد القادری نے فرمایا کوئی ماں کے پیٹ سے مفتی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ چناں چہ ادارہ میں جو سوالات آتے ان کے جواب لکھ کر علامہ ارشد القادری کو دکھلاتے پھر جواب بعد اصلاح سائل کو بھیج دیے جاتے۔ پھر متعدد مدرسوں میں دورانِ تدریس یہ کام بے ضابطگی کے ساتھ جاری رہا۔اور الحمدللہ آج تک تحریری سوالوں کے جواب تحریری طور پر اور زبانی

سوالوں کا جواب زبانی طور پر دینے کا سلسلہ جاری ہے۔

ادبی ذوق وشوق وشعر وشاعری: دامودر پور مظفر پور میں دوران طالب علمی کتابوں کے مطالعہ سے آپ کے اندر ادبی ذوق پیدا ہوا۔ چند نعت پاک لکھی جو گلزار حرم نامی کتاب میں آپ کے ساتھیوں کے شعری کلام کے ساتھ شائع ہوئی۔ پھر با قاعدہ بہت ساری نعتوں اور منقبتوں کا مجموعہ تاریخی نام ساغر کوثر (۱۹۸۷) کی شکل میں ظہور پذیر ہوا اس کے بعد جلوۂ نمازی کے نام سے کئی شعرا کا مجموعہ کلام مرتب ہوا تو اس میں بھی ایک درجن کے قریب آپ کا تازہ کلام شریک اشاعت ہوا۔ ان کتابوں کے علاوہ ملک کے متعدد ماہناموں میں جیسے ماہنامہ استقامت ڈائجسٹ ، ماہنامہ فیض الرسول براؤں شریف، ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور، سہ ماہی تیغی کرن چاند پور فتح ویشالی، ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ پاکستان میں شعری کلام اور مذہبی مضامین زیور طباعت سے آراستہ ہوتے رہے۔ اور آج بھی بحمدہ تعالیٰ مذہبی عناوین اور ملکی حالات پر مشتمل مختصر اور مطول بیانات شائع ومشتہر ہوتے رہتے ہیں۔

قلمی کاوش: آپ کا اشہب قلم نہایت صبا رفتار واقع ہوا ہے آپ کے نوک قلم سے مختلف موضوعات پر بیس سے زائد کتابیں منصۂ شہود پر آچکی ہیں ۔سیرت شاہنشاہ مدنی ، تجلیات نور العرفان، تبیان شریعت وغیرہ آپ کی شاہکار تصانیف میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ ہندی میں سیرت پیغمبر اسلام، سرکار سرکا نہی کی علمی وسماجی خدمات، فتنوں کی تلاش اور اردو میں دو دوست، اصلاح عقائد ومعمولات وغیرہ بھی زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں اور کچھ کتابیں زیر ترتیب اور تشنۂ اشاعت ہیں۔

شخصی خدوخال:

قد: ۵/فٹ ۳/انچ

رنگ:- گندمی

پیشانی: کشادہ

ناک: درمیانی

لباس: سفید پاجامہ کرتا پیشانی گول ٹوپی، سفید رومال کندھا پر، جوتا یا چپل کالے رنگ کے علاوہ، چشمہ، عیدین کے موقع پر اور بعض پروگراموں میں عمامہ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ صحت وسلامتی کے سات آپ کا سایہ ہم سنیوں پر دراز فرمائے اور آپ کی خدمات کو قبول فرمائے آمین

☆☆☆

[خادم دار العلم والحکمۃ مدرسۂ سرکار نمازی خانقاہ قادری تھتیاں شریف، مظفر پور]
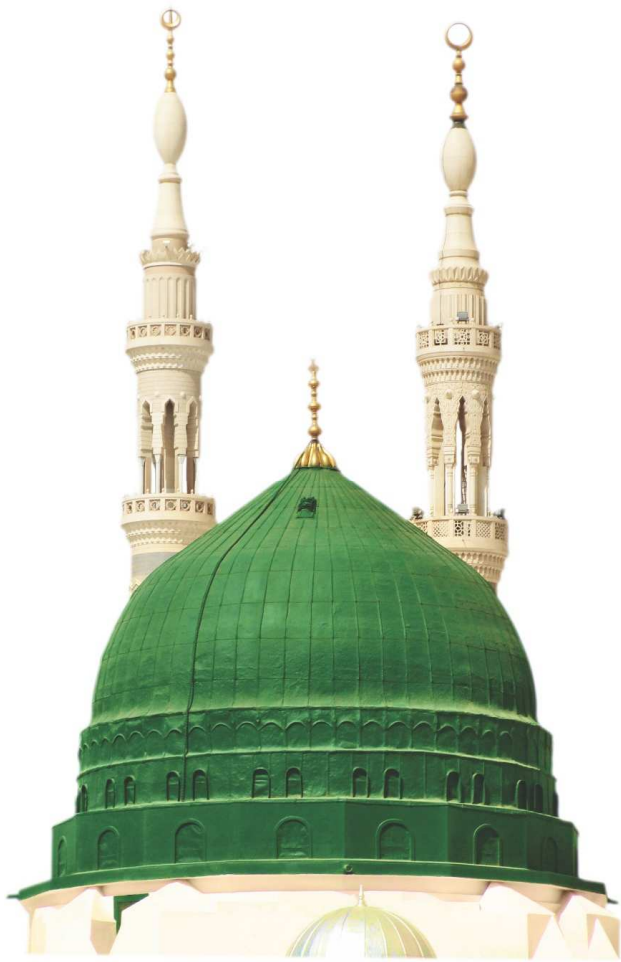
متفرقات:

میانہ روی ہی اختلاف کا سد باب ہے۔

از: مفتی محمد علقمہ اشرف قادری علیمی باتھوی

☆☆☆

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے مختلف مقامات پر مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کے رہنے کا حکم فرمایا، اسی سے اتحاد و اتفاق کی عظمت اجاگر ہوتی ہے لیکن افسوس کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ''مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں'' اور اس کی عملی تفسیر اللہ کے رسول ﷺ نے ''عقدِ مواخاۃ'' کر کے جو اتحاد و اتفاق کی عظمت سے روشناس کروایا تھا مسلمانوں نے اس کو فراموش کر دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان آپس میں ہی برسرِ پیکار ہو کر بادہ پیما کا شکار ہو گیا۔ خواص ہو یا عوام ہر کوئی آپس میں دست و گریباں ہیں جس کی وجہ سے امت مسلمہ تنزلی کا شکار ہوتی جا رہی ہے۔ اختلاف یہ تو فطری امر ہے انسانوں کی ضرورت ہے کیوں کہ اگر یہ اختلاف نہ ہو تو بہتر نتائج اخذ نہیں کئے جا سکتے لیکن اگر یہ اختلاف، انتشار، فساد اور نفاق کی بھینٹ چڑھ جائے تو یقیناً یہ خسارہ اور پستی کا سبب ہوگا لہٰذا اس کی تلافی کی کیا صورت ہوگی؟ دل سے نکلی ہوئی چند تجاویز جو سپرد قرطاس کر رہا ہوں۔

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں مری بات

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے خطیب بغدادی کے حوالے سے ذکر فرمایا کہ ایک مرتبہ خلیفہ ہارون رشید نے امام مالک علیہ الرحمہ سے عرض کیا کہ آپ جو کتاب تحریر فرماتے ہیں اس کو ہم عالم اسلام میں عام کرنا چاہتے ہیں تاکہ امت مسلمہ اس پر عمل پیرا ہو۔ تو امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اے امیر المومنین علما کا اختلاف اللہ کی جانب سے اس امت پر رحمت ہے اور ہر کوئی اسی پر عمل پیرا ہے جو ان کے نزدیک صحت سے ثابت ہے اور وہ سب ہدایت پر ہیں اور یہ ساری چیزیں ارادئے الٰہی کے تحت ہے۔

(اختلاف الائمہ ص ۲۰)

صاحبو! امت محمدیہ ﷺ کے علما کا اختلاف زحمت نہیں بلکہ رحمت ہے، لوگوں کے لیے وسعت و گنجائش کا سبب ہے اور ارادہ و قدرت کے تحت ہے جیسا کہ ابھی آپ نے ملاحظہ فرمایا امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ کی عبارت بھی ملاحظہ فرمائیں تاکہ پڑھنے کا مزہ دوبالا ہو جائے۔

خطيب البغدادى في كتاب الرواة عن مالك من طريق إسماعيل بن ابي المجاهد قال قال هارون الرشيد لمالك بن أنس يا ابا عبدالله تكتب هذا الكتاب و نفرقها في آفاق الإسلام لنحمل عليه الأمة؟ قال يا أمير المؤمنين إن اختلاف العلماء رحمة من الله على هذه الأمة كل يتبع ماصح عنده وكل على هدى وكل يريدالله عزوجل

(ص ۲۲)

حلية الاولياميں هے "حدثنا" حسين بن علي عن موسى الجهنى ،قال كان طلحة اذا عنده الاختلاف قال لا تقولوا الاختلاف، ولكن قولوا السعة"

(حلية الأولياء ج٥، ص٢١)

حسین بن علی نے موسی الجھنی سے روایت کیا انہوں نے کہا کہ جب کوئی حضرت طلحہ کے پاس اختلاف کہتا تو آپ فرماتے کہ اختلاف نہ کہو بلکہ فراخ دلی کہو۔

ردالمحتار میں علامہ شامی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا:

"ان الاختلاف من آثار الرحمة فمهما اكثر كانت الرحمة اوفر فإن اختلاف أئمة الهدى تو سعة للناس كما في اول التاتار خانيه وهذا يشير إلى حديث المشهور على السنة الناس وهو "اختلاف امتى رحمة

(ج:۱،ص ۱٦٧)

بے شک اختلاف رحمت کے آثار میں سے ہے بسا اوقات رحمت وافر مقدار میں ہوتی ہے کیوں کہ علمائے ربانیین کا اختلاف لوگوں کے لیے وسعت و گنجائش لاتا ہے جیسا کہ تاتارخانیہ کے شروع میں ہے اور یہ اس حدیث مشہور کی طرف اشارہ ہے جو لوگوں کی زبان پر عام ہے یعنی میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ مذکورہ بالا عبارت سے یہ واضح ہوگیا کہ اختلاف یہ امر محمود ہے اور قدرت کے منشا کے مطابق ہے۔

نیز یہ کہ اگر یہ اختلاف ارادئے قدرت کے تحت نہیں ہوتا تو قرآن میں ایسے الفاظ جو مشترک المعنی ہیں اللہ تعالی ذکر نہیں فرماتا مثلاً اَوۡ لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ

(النساء)

مس نساء یعنی عورتوں کو چھونا یہاں عورتوں کو چھونے سے مراد احناف کے نزدیک ان سے قربت کرنا ہے اور شوافع کے نزدیک نفس مس یعنی چھونا (ٹچ) کرنا ہے۔

اسی طرح یَتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوۡٓءٍ

(البقرہ)

قروء حیض اور طہر کے معنی میں مشترک ہے احناف کے نزدیک حیض اور شوافع کے نزدیک طہر متعین ہے اگر فقہا کا اختلاف باری تعالیٰ کو ناپسند ہوتا تو ذو معنی والے الفاظ استعمال نہیں فرما کر سارا حکم محکم الفاظ میں ذکر فرما دیتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ اختلاف فقہا عنداللہ مذموم نہیں ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اختلاف رحمت ہے باری تعالیٰ کے منشا کے مطابق ہے تو پھر اختلاف کی وجہ سے آپس میں دوریاں کیوں شروع ہوگئی، وحدت کیوں پارہ پارہ ہوگئی اور امت تنزلی کی عمیق گڑھے میں کیوں گرتی جارہی ہے؟ نیز اس کی تلافی کی کیا صورت ہے؟

مذکورہ دونوں سوالوں کا جواب عرض ہے۔ یاد رکھیں کہ اختلاف یہ فطری امر ہے انسانوں کے! علاوہ دوسری مخلوق میں بھی پایا جاتا ہے جیسا کہ فرشتوں کا اختلاف اس شخص کے بارے میں جس نے ناوے قتل کیا پھر وہ توبہ کی طرف مائل ہوا مکمل واقعہ کے لیے ریاض الصالحین کا مطالعہ فرمائیں۔ تو اختلاف یہ مذموم شئ نہیں بشرطیکہ دائرے کے اندر ہو اب ذیل میں اختلاف کی تعریف بھی ملاحظہ فرمالیں تاکہ جواب سمجھنا آسان ہوجائے

اختلاف کسے کہتے ہیں؟ بعض لوگوں نے اختلاف اور خلاف میں فرق کیا ہے اور بعض نے نہیں چنانچہ اختلاف العلماء نامی کتاب میں ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ طحاوی نے ذکر فرمایا "**الاختلاف مايستند الى دليل والخلاف مالا يستند إلى دليل والاختلاف من آثار الرحمة والخلاف من آثار البدعة**"

(ص ۷۸)

یعنی جو بات دلیل سے ثابت ہو اختلاف ہے اور جو بلا دلیل ہو وہ خلاف ہے اختلاف رحمت کے آثار میں سے ہے اور خلاف بدعت کے آثار میں سے

اور علامہ جرجانی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

منازعة تجري بين المعارضين لتحقيق حق أو لابطال باطل

(ص ۸۹)

یعنی خلاف وہ منازعہ ہے جو احقاق حق اور ابطال باطل کرنے

والوں کے درمیان جاری ہو۔

آپ نے دونوں نظریہ ملاحظہ فرمالیا۔

اگر اختلاف اپنے دائرے کے اندر ہو یعنی خلوص وللّٰہیت اور صدق نیت پر مبنی تو بلاشبہ یہ محمود ہوگا تاہم اسی اختلاف کے پیچھے اخلاص کارفرمانہ ہو اور بغض وعناد، عصبیت اور شخصیت پرستی حائل تو آپس میں یہ تفرقہ کا سبب بن جاتا ہے اس پس منظر میں جب حالات کا جائزہ لیں گے تو یہ واضح ہوجائے گا کہ زمانہ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اور ائمہ کرام وعلمار بانیین کے درمیان جو اختلاف ہوا کرتا تھا وہ مبنی بر خلوص تھا لیکن آج جو صورت حال ہے اس کے پیچھے اس کا فقدان نظر آتا ہے حاشا کلا میرا یہ مقصد نہیں کہ اکابر میں اخلاص نہیں بلکہ ان کے اردگرد کچھ ایسے لوگ ہیں جو بظاہر بڑی نیازمندی کا اظہار کرتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ تملق اور چاپلوس ہوا کرتے ہیں ایسے چاپلوسوں کی وجہ سے وہ اختلاف جو رحمت تھا ان کی چاپلوسی تملق پسندی اور شخصیت پرستی کی وجہ سے باعث زحمت ہوجاتا ہے لہذا اکابر سے التماس ہے کہ ایسے مکاروں کو اپنے قرب خاص کا سزاوار نہ بنائیں بلکہ اپنے قریب ایسے لوگوں کو جگہ دیں جو بے جا حمایت کے بجائے تنقید کا ہنر رکھتے ہوں اگر بھول چوک ہو بھی جائے تو تنقیدی اور تعمیری طرز فکر سے اس کا ازالہ کرسکے۔ بسا اوقات علاقہ، زبان ذات پات کی عصبیت کی وجہ سے بھی آپس میں اختلاف ہوجاتا ہے جو کہ ملی اتحاد کے لئے سم قاتل ہے۔ دونوں طرح کے اختلاف کے ختم کرنے کی صورت یہ ہے کہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان خیر الامور اوسطہا پر عمل کرتے ہوئے میانہ روی کے خوگر بن جائیں ان شاء اللہ یہ ہماری وحدت کے لئے سنگ میل ثابت ہوگا اور دشمنان دیں کے لئے خنجر خونخوار۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میانہ روی کا ادراک کیسے ہو؟ ذیل میں کچھ باتیں مع مثال پیش کرنے کی سعی کرتا ہوں جب بھی کوئی نیا مسئلہ وقوع پذیر ہوتا ہے تو علما اس کی سبیل نکالتے ہیں تو علماء کرام کی بارگاہ میں عرض ہے کہ اگر آپ اجتہاد کی منزل پر فائز نہیں ہیں تو بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجتہدین کو احتیاط کی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ تو غایت درجہ احتیاط اور عرق ریزی سے مسائل کا حل نکالتے تاہم اگر ان کا اجتہاد خطا کر جاتا ہے تو بھی ان پر اجر وثواب ہے چنان چہ بخاری شریف میں ہے۔

اذا حكم الحاكم فاجتهد فاصاب فله اجران، وإذا حكم فاجتهد فاخطا فله اجر

(صحیح البخاري ج:۲ ص:۱۰۹۲)

یعنی جب حاکم (مجتہد) نے اجتہاد سے فیصلہ کیا تو درست ہونے پر دوگنا اجر ہے اور اگر حاکم نے اجتہاد سے فیصلہ کیا اور خطا کر گیا تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح فقہ اکبر میں فرمایا:

"كان المخطى معذورا فلمن اصاب اجران ولمن أخطأ أجر واحد كما ورد في حديث آخر اذا أصبت فلك عشر حسنات وان أخطأت فلك حسنة" (۲۳۱)

یعنی (مجتہد) مخطی معذور ہے تو جس کا اجتہاد درست ثابت ہوا اس کے لئے دونا اجر ہے اور جو خطا کر گیا اس کے لئے ایک اجر ہے جیسا کہ دوسری حدیث مذکور ہے اگر تم (مجتہد) درستگی پر ہو تو تمہارے لئے دس نیکیاں ہیں اور اگر تم خطا پر ہو تو تمہارے لئے ایک نیکی ہے۔

لیکن غیر مجتہد کے لئے ایسا نہیں لہٰذا غیر مجتہد علما کو چاہیے کہ نو پید مسائل میں بہت زیادہ احتیاط سے کام لیں۔

اب اگر عوام کے سامنے کسی نئے مسئلہ میں دو موقف سامنے آجائے تو دیکھیں کہ ایسی کون سی چیز ہے جو دونوں میں مشترک ہے اور میانہ روی کیا ہے، احتیاط کس میں زیادہ ہے جس میں احتیاط کا عمل غالب ہو اسی پر عمل کی کوشش کریں

مثلاً مائک پر نماز اس سلسلے میں دو موقف ہے بعض لوگ جواز کے قائل ہیں اور بعض عدم جواز کے لیکن بغیر مائک کے نماز میں

سب متفق ہیں اور یہ دونوں میں مشترک ہے اور میانہ روی اور احتیاط کا پہلو اسی میں غالب لہٰذا جب تک عمل ممکن ہو اسی پر عمل کریں اسی طرح ٹرین پر پڑھی گئی فرض واجب کا اعادہ ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں بھی دو موقف ہے بعض علما فرماتے ہیں کہ اعادہ نہیں بعض کہتے ہیں کہ اعادہ ضروری ہے اس میں بھی شئ مشترک میانہ روی اور احتیاط کے پہلو پر غور کریں تو میانہ روی اور احتیاط یہ ہے کہ اعادہ کرلیا جائے اس میں کسی کا اختلاف نہیں اور یہ زیادتی ثواب بھی ہے مشتے نمونہ از خروارے یہ دو مثالیں ذکر کی گئیں لہٰذا اگر اس طرح کی مثبت سوچ دیگر اختلافی مسائل میں بھی اپنائی جائے تو آپسی نزاع ختم ہو سکتا ہے۔ اور امت تنزلی کی عمیق گڑھے سے باہر نکل سکتی ہے۔

اب رہا کہ علاقہ ذات پات رنگ ونسل کی عصبیت کی وجہ سے اختلاف کا پایا جانا تو اس کا سد باب کیسے ہو؟ تو اس کے متعلق عرض ہے کہ ہمارے دین کی خصوصیات میں سے ہے کہ کسی کو رنگت اور علاقے کی بنا پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے یہ تو صرف پہچان کے لئے ہے وجہ برتری صرف تقویٰ ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا کہ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْاؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ﴿۱۳﴾

(الحجرات ۱۳)

ترجمہ: اے لوگوں ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قومیں اور قبیلے بنایا تا کہ تم آپس میں پہچان رکھو، بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور نہ ہی کسی عجمی کو عربی پر فضیلت حاصل ہے، کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور نہ ہی کسی گورے کو کالے پر گورے کوئی فضیلت حاصل ہے بلکہ فضیلت صرف تقوی اور پرہیز گاری سے ہے۔

(صراط الجنان)

لہٰذا ایسے لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کی روشنی میں اپنا محاسبہ کریں نیز یہ کہ ہمارے دین میں بہت سے اعمال ہیں جہاں ہمیں رنگ ونسل، قبیلہ وخاندان کے اختلاف کے باوجود ہمیں ایک لڑی میں پرو کر اتحاد و اتفاق کا درس دیا گیا مثلا نماز یہ اتحاد و اتفاق کی اعلیٰ مثال ہے حج سارے لوگ ایک لباس میں ایک ہی انداز میں ایک ہی جگہ پر بندگی کا اظہار کرتے ہیں جو کہ اتحاد واتفاق کا اعلیٰ نمونہ ہے باوجود اس کے آپس میں عصبیت اور اختلاف ہو یہ کیوں کر گوارا کیا جاسکتا ہے ایسے لوگ اپنا جائزہ لیں اور ایسی منفی سوچ جس کا ہمارے مابین تفرقہ بازی میں بہت بڑا دخل اس کو سرے سے نظر انداز کر دیں اور میانہ روی کا مظاہرہ کرتے ہوئے صرف اس بات پر کہ ہم مسلمان ہیں ایک نبی کریم ﷺ کے کلمہ پڑھنے والے ہیں اس کو اپنے ذہن میں بسائیں اور باہم انسانیت اخوت ومحبت بھائی چارگی کا مظاہرہ کریں۔

ایسے حالات میں جہاں اتحاد و اتفاق کی سخت ضرورت ہے اپنا کردار ادا کریں اپنی ذات سے انتشار نہ پھیلنے دیں نہ اپنے آپ کو انتشار کا شکار ہونے دیں اپنی صلاحیت اور اپنی فکر سے ملت کو منظم کرنے کی کوشش کریں

قارئین! اللہ تعالیٰ نے اسلام کی صورت میں جو نظام حیات لوگوں کو عطا فرمایا وہ انسانی فطرت کے مطابق ہے جو افراط وتفریط سے یکسر خالی، توازن واعتدال اور میانہ روی کا جامع ہے عقائد ہوں یا عبادات ومعاملات ہر جگہ یہ اعتدال اور توازن بحسن خوبی موجود ہے پس ضرورت اس بات کی ہے کہ اس پر عمل پیرا ہوں اللہ تعالی کا فرمان وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا

(آل عمران ۱۰۳)

ترجمہ: اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو اور آپس میں تفرقہ مت ڈالو۔

وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ

تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۝۴۶
(الانفال ۴۶)

ترجمہ: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور آپس میں بے اتفاقی نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاو گے اور تمہاری ہوا (قوت) اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اور صبر کیسا ہونا چاہیے اس کے متعلق اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا
(آل عمران ۲۰۰)

ترجمہ: اے ایمان والو! صبر کرو اور صبر میں دشمن سے آگے رہو۔

یعنی ہمارا صبر بھی ایسا ہو جس کے آگے دشمن کا صبر عاجز آجائے لیکن افسوس کہ ہم اگر کوئی کار خیر کرتے ہیں تو فوراً نتیجہ کے خواہاں ہو جاتے ہیں جو کہ مومن کا شیوہ نہیں مومن کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ صبر و شکر کا دامن تھامے رہے، دشمنان اسلام، اسلام کے خلاف جو پروپیگنڈہ تیار کیا تو ایسا نہیں ہوا کہ وہ راتوں رات کامیاب ہوا بلکہ انہوں نے دن رات ایک کر دیا تب جا کر وہ کامیاب ہوئے اس دنیا میں ہم اگر سربلندی کے خواہاں ہیں تو ہمیں چاہیے صبر وشکر کا دامن تھامے رہیں اور اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھ کر کام کریں انشاء اللہ ضرور کامیاب ہوں گے ڈاکٹر اقبال نے کہا کہ

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ ہے مردوں کی شمشیریں

اخیر میں علماء سے التماس ہے کہ اگر کسی عالم دین سے امت کے رہنما سے جب کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آجائے تو اپنا سمجھتے ہوئے ان کی اصلاح کی ہر ممکن کوشش کریں عملی طور پر ان سے بالواسطہ گفت وشنید کر کے اپنانے کی کوشش کریں پھر بھی اگر وہ نہ مانے اور اس قول و فعل کفر وضلالت، فسق و فجور کی طرف لے جائے تو اعلان براءت کر دیا جائے۔

نبی سے جو ہو بے گانہ اسے دل سے جدا کر دے
پدر مادر برادر جان ومال ان پر فدا کر دے
(تاج الشریعہ علیہ الرحمہ)

اور اگر معمولی سا اختلاف ہے جس سے شرعاً کوئی قباحت نہیں تو اگر چہ وہ ہمارے مزاج کے خلاف ہو پھر بھی ان کو اپنائیں، اس طرح ممکن ہے کہ ہماری اجتماعی قوت بحال ہو جائے نیز جو لوگ گونا گو خوبیوں کے حامل ہیں انہیں چاہیے کہ بلا خوف لومۃ لائم دینی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسائل میں اپنا کردار ادا کریں تا کہ ہماری عظمت رفتہ بحال ہو سکے یاد رکھیں غلط وہی ہے جو شرعاً غلط ہے اگر وہ شرعاً غلط نہیں تو لاکھ ہمارا مزاج اس کو غلط کہے پھر بھی وہ غلط نہیں۔

اللہ تعالی ہم سب کو جادۂ مستقیم پر قائم رکھے اتحاد و اتفاق والی زندگی عطا فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

☆☆☆

تعزیت:

تعزیت نامے بروفات علمائے کرام

ادارہ

☆☆☆

دنیا میں ہزاروں افراد روز آتے ہیں اور ہزاروں اس دنیا کو روز الوداع کہتے ہیں اور یہ سلسلہ صبح قیامت تک جاری رہے گا۔لیکن ان جانے والے افراد میں کچھ ایسے اللہ کے نیک اور برگزیدہ بندے ہوتے ہیں جن کو رہتی دنیا تک یاد کیا جاتا رہے گا۔ماضی قریب میں ہمارے درمیان سے چار ذی استعداد عالم ربانی رخصت ہو گئے جن کی حیات کے چند پہلو کو بطور تعزیت پیش کرتا ہوں۔

علامہ محمد ادریس رضوی علیہ الرحمہ

ادیب شہیر حضرت علامہ و مولانا حافظ و قاری الحاج محمد ادریس رضوی علیہ الرحمہ ۲۰/ جولائی ۱۹۵۸ء میں دربھنگہ ضلع کے مدُمَن بستی میں پیدا ہوئے اور صوبہ بہار ہی کے مختلف مدارس سے اپنی علمی پیاس بجھائی۔دس سال صوبہ بہار کے ضلع سیوان میں تدریس اور امامت و خطابت کے فرائض انجام دیئے پھر عروس البلاد ممبئی سے قریب کلیان سنی جامع مسجد، پتری پُل میں ۱۹۸۸ء سے تادم حیات (اگست 2022ء) امامت و خطابت کے منصب پر فائز رہے۔۲۰۰۱ء میں ادائیگی حج سے مشرف ہوئے اور ۲۰۱۲ اور ۲۰۱۸ میں عمرہ ادا فرمایا۔متعدد کتابیں تصنیف کی اور سو سے زائد تحقیقی، علمی، فکری و اصلاحی مضامین و مقالات قلم بند کیے، مولانا موصوف حافظ و قاری اور عالم ہونے کے ساتھ بہترین منتظم، مخلص داعی اور عمدہ نثر نگار اور قادر الکلام شاعر تھے، تقریباً مطبوعہ و غیر مطبوعہ ساٹھ کتابیں یادگار چھوڑی ہیں آپ نے متعدد مقالات اور کئی کتابیں رضویات پر لکھی ہیں، آپ کی تحریریں عام فہم اور سلیس ہوا کرتی تھیں۔مسلکِ اعلیٰ حضرت کے داعی تھے۔آپ مورخہ ۴/ محرم الحرام ۱۴۴۴ھ مطابق ۳/ اگست ۲۰۲۲ء کو اپنے ہی ضلع دربھنگہ کے ایک اسپتال میں داعیِ اجل لبیک کو کہہ گئے۔

پانچ صاحبزادے اور ایک صاحبزادی اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔آپ بہترین ادیب اور کہنہ مشق محرر تھے آپ عمدہ اخلاق کے حامل اور پر اثر عامل بھی تھے۔صغیر و کبیر سب سے عمدہ طریقے سے پیش آتے اور مخلصانہ روابط رکھتے۔اللہ کریم آپ کو اپنی جوار رحمت میں جگہ نصیب کرے۔آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

علامہ تفسیر القادری علیہ الرحمہ:

استاذ العلما نمونہ اسلاف علامہ تفسیر القادری قیامی علیہ الرحمہ ۱۹۴۷ء میں ضلع سنت کبیر نگر کے املی ڈیہہ سنت کبیر نگر گاؤں میں پیدا ہوئے اور گاؤں کی مسجد سے تعلیمی سفر کا آغاز کیا اور دار العلوم اہل سنت تنویر الاسلام امرڈوبھا ہوتے ہوئے دار العلوم مظہر اسلام بی بی جی بریلی شریف پر جا کر اس کا اختتام کیا۔فراغت کے بعد اپنے علاقے کے کئی مدارس و مکاتب میں بطور سینیر مدرس رہے پھر ۱۹۷۸ء میں از ہر ہند دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی میں بطور مدرس بحال ہوئے بعد میں چند ماہ کے لیے صدر المدرسین کے عہدہ پر فائز ہوئے۔۲۰۱۱ء میں دار العلوم علیمیہ سے ریٹائر ہوئے پھر کسی ادکرہ سے منسلک ہوئے اور مورخہ ۱۸/ محرم الحرام ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۷/ اگست ۲۰۲۲ء کو اس دنیا سے دارِ بقا کی جانب کوچ کر گئے۔

آپ بلند اخلاق اور اعلیٰ کردار کے حامل فرد تھے آپ کے

شاگردوں اور ہم عصر علما آپ سے بہت متأثر ہیں۔ اور اپنے شاگردوں کو خوب دعائیں دیتے اور ترقی کی راہ کی طرف مشورہ دیتے تھے۔ اللہ پاک آپ کی مرقد پر رحمت و نور کی برسا برسائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

علامہ شاہد رضا نعیمی علیہ الرحمہ:

مفکر اسلام، خطیب یورپ و ایشا، عظیم اسلامی اسکالر، شہزادہ مفتی حبیب اللہ نعیمی حضرت علامہ ڈاکٹر شاہد رضا نعیمی بھاگلپوری یورپی ممالک کی عظیم شخصیات میں سے ایک تھے۔ آپ ورلڈ اسلامک مشن [یورپی ریجن] کے صدر، برطانیہ کے مساجد اور اماموں کے قومی مشاورتی بورڈ (MINAB) کے چیئرمین، لیسٹر سنٹرل مسجد کے ہیڈ امام، برٹش مسلم فورم کے بانی ٹرسٹی اور مسلم لاء (شریعہ) کونسل برطانیہ کے ایگزیکٹو سیکریٹری تھے۔ آپ کا تعلق ہندوستان کے مردم خیز صوبہ بہار کے بھاگلپور سے تھا۔ دار العلوم نعیمیہ مراد آباد کے داخلہ رجسٹر کے مطابق آپ کی پیدائش ۱۳/ دسمبر ۱۹۵۰ کو فتح پور نامی بستی میں ہوئی۔ گو آپ بہار سے اٹھے، دار العلوم نعیمیہ مراد آباد یوپی سے تکمیل علم کیے اور پھر لندن برطانیہ میں جا کر دین وسنت کی خوب خدمات انجام دیے، یورپی دنیا میں آپ کے دم قدم سے مسلک اعلیٰ حضرت کا خوب فروغ ہوا۔

ڈاکٹر شاہد نعیمی صاحب پورے یورپ و ایشا میں اہل سنت کی مضبوط ترین آوازوں میں سے ایک تھے اور مختلف بورڈز اور فورمز پر علمائے اہل سنت کی نمائندگی کرتے تھے۔ انہوں نے برطانیہ میں بین المذاہب مکالمے، دین کی زیادہ افہام وتفہیم اور بہتر کمیونٹی تعلقات کے لیے انتھک محنت کی جس کے لیے انھیں او بی ای سے نوازا گیا۔ آپ کا انتقال ۷/ صفر المظفر ۱۴۴۴ھ مطابق ۵/ ستمبر ۲۰۲۲ء کو انگلینڈ میں ہوئی اور دو روز کے بعد ۷/ ستمبر کو وہیں تدفین عمل میں آیا۔

آپ ایک عالمی مبلغ اور بہترین مفکر تھے، خطابت کے تقریباً پوری دنیا کا سیر آپ نے کیا۔ آپ کا انتقال اہل سنت کا عظیم خسارہ ہے۔ اللہ پاک آپ کے مرقد پر رحمت کی برکھا برسائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ

مولانا محمد مجیب الرحمٰن رضوی علیہ الرحمہ:

عالم اہل سنت مولانا مجیب الرحمٰن رضوی علیہ الرحمہ روضہ شریف ادھیان پور، ضلع مہوتری نیپال میں پیدا ہوئے۔ اور ابتدائی تعلیم علاقے میں حاصل کی اعلیٰ تعلیم جنکپور نیپال ہوتے ہوئے بریلی شریف سے فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد امامت وخطابت کے مشغلہ سے وابستہ ہوئے اور اس میدان میں خلقِ خدا کی خوب خدمت کیے۔ امامت وخطابت کے علاوہ دعا وتعویذ نویسی جیسے کام بھی انجام دیتے تھے۔ لیکن یہ پیشہ نہ تھا۔ آپ کی شادی منپور ضلع سیتامڑھی میں ہوئی جہاں آپ چند مہینے بعد مستقل سکونت حاصل کر لیے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ آپ کی وفات ۲/ ربیع النور شریف ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۹/ ستمبر ۲۰۲۲ء بروز جمعرات بعد العصر بین المغرب، الور، راجستھان میں ہوئی اور وہیں ۳/ ربیع النور شریف ۱۴۴۴ھ مطابق ۳۰/ ستمبر ۲۰۲۲ء بروز جمعہ تدفین عمل میں آئی۔

آپ بلند اخلاق اور اعلیٰ کردار کے حامل تھے۔ اللہ پاک آپ کی صغائر وکبائر کو معاف کرے اور جنت الفردوس میں جگہ نصیب کرے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

جماعت رضائے مصطفیٰ شاخ سیتامڑھی و سہ ماہی پیامِ بصیرت کی پوری ٹیم کی جانب سے مذکورہ علما اور جو بھی عالم ربانی اس درمیان رخصت ہوئے ان سب کے فرزندگان، پسماندگان، لواحقین، متعلقین اور تلامذہ کو تعزیت پیش کیا جاتا ہے۔ اور ہم اجتماعی دعا کرتے ہیں کہ اللہ کریم کن سارے علما کو اپنی جوار میں جگہ نصیب کرے۔ آمین یارب العالمین جل مجدہ و بجاہ سید المرسلین ﷺ

از: محمد فیضان رضا علیمی، رضا باغ گنگٹی۔
مدیر اعلیٰ: سہ ماہی پیامِ بصیرت، سیتامڑھی۔
استاد مدرسہ قادریہ سلیمیہ چاند پورہ چھپرہ
۱۴/ ربیع الاول شریف ۱۴۴۴ھ

☆☆☆

نوخیز قلم کار:

مفتی محمد طفیل احمد رضوی: حیات وخدمات

از: مولانا توصیف علیمی کٹیہار

☆☆☆

تاریخ ساز شخصیات میں ایک نام مناظر اھل سنت علامہ مفتی محمد طفیل احمد رضوی نوری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ہے، آپ علم و تقویٰ کے پیکر، ظاہری و باطنی فیوض و برکات کے درخشاں، درس و تدریس کے ماہر، صبر وقناعت کے بحر بے کراں، مسلک اعلیٰ حضرت کے پاسباں، وعظ وخطابت کے شہنشاہ، اخلاقی اوصاف سے پر اور مرجع' خاص وعام تھے۔

آپ کی زندگی کا اکثر حصہ تعلیم وتدریس، وعظ وخطابت، رشد وہدایت، ودیگر دینی خدمات میں صرف ہوا لیکن مقام افسوس یہ ہے کہ اتنا طویل عرصہ گزر گیا، مگر کسی نے حضرت کی تعزیت تک لکھ نہ سکی۔ وجہ یہی کہ حضرت چونکہ ایک گمنام علاقے میں دینی خدمات انجام دی اور آپ کو گمنام کر دیا حتیٰ کہ آپ کے شاگردوں نے بھی آپ کو گمنامی کے پردے میں رکھ دیا۔

حیرت کی بات یہ کہ علامہ موصوف کی دینی خدمات بڑا ہی وسیع وعریض ہے، مسلسل ۳۲ سال کے زائد عرصے میں تدریسی خدمات انجام دیں۔۔۔ نیز آپ کی زندگی کا سب سے نمایاں کارنامہ مناظرہ ومباحثہ اور کثیر تعداد میں مساجد ومدارس کا قیام کرنا ہے، اسی طرح علماء کی مقدس جماعت تیار کرنا وغیرہ شامل ہے۔

اس سلسلے میں آپ کو بتا تا چلوں کہ حضرتِ موصوف کی جھد مسلسل، خلوص وللّٰہیت کے نتیجے میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ دیوبندیت سے تائب ہو کر سنی بن گئے۔ گویا قدرت نے آپ کو اسی کام کے لئے چن لیا تھا۔ بہرکیف! ذیل میں حیات مناظر اہلِ سنت کے چند تابندہ نقوش ملاحظہ فرمائیں؛

تاریخِ ولادت واسم گرامی

آپ کی ولادت ۲۱ رصفر المظفر ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۴ راگست ۱۹۶۰ء کو بروز یک شنبہ، ضلع کٹیہار (موضع آباد پور) پر مانک ٹولہ میں ہوئی۔ اور والدین نے آپ کا نام (ایک صحابی رسول حضرت طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی نام) کے نسبت سے محمد طفیل احمد رکھا۔

والدین کریمین؛

آپ کے والد ماجد (جناب عین الدین مرحوم) شرافت، دیانت، پاکبازی اور مہمان نوازی میں مشہور تھے، دین دار اور صوم وصلوٰۃ کے سخت پابند تھے، نیز آپ کی والدہ ماجدہ بھی نہایت نیک، پاک سیرت عفیفہ، صوم وصلاۃ کی پابند تھیں۔ اور قدوۃ العارفین خواجہ وحید اصغر لطیفی قدس سرہ (تکیہ شریف رحمٰن پور) سے آپ کے والدین بیعت تھے۔

آغاز تعلیم اور اس کے مراحل

آپ کی ابتدائی تعلیم مدرسہ رب البخش (آباد پور) میں مولوی نور عالم دیوبندی سے ہوئی۔ یہاں کچھ دن تعلیم حاصل کیا پھر آپ نے اعلیٰ تعلیم کے لیے اہل خانہ سے درخواست کی لیکن اہل خانہ نے منع کر دیا اسی طرح معاملہ چلتا رہا ایک دن اتفاقاً ایک سنی عالم حضرت مولانا عبدالقادر رضوی شاگرد صدر العلماء غلام جیلانی میرٹھی علیھما الرحمہ (عرف حاسر ومقام تسلیا آباد پور)

سے ملاقات ہوئی دوران گفتگو وہ سنی عالم یہ مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ آپ کا چہرہ تو عالموں جیسا ہے، آپ کو باہر تعلیم حاصل کرنا چاہیے۔

چنانچہ یہ مشورہ آپ کے دل میں تیر کے مانند چبھ گیا پھر کیا ہوا یہی کہ اہل خانہ کو بتائے بغیر اس غربت کے عالم میں حصول علم کے لیے نکل پڑے۔ اور مدرسہ یتیم خانہ سیوان جا پہنچے۔

تکمیل تعلیم:

اور کچھ عرصہ (مدرسہ یتیم خانہ سیوان) رہ کر مدرسہ فیض الرسول براؤں شریف (جو ایک عظیم درس گاہ ہیں) تشریف لے گیے وہاں اُس وقت (حضرت فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ القوی کی ذات جلوہ گر تھیں) وہاں تقریبا دو سال علمی فیضان سے پرہو کر جامعہ اشرفیہ مبارکپور میں داخلہ لیے اور حضرت شارح بُخاری مفتی شریف الحق امجدی و بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی علیہما الرحمہ جیسی شخصیات سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

بعد عالمیت وہاں سے بریلی شریف (جمعہ رضویہ منظر اسلام) کی جانب رخ کیے۔ (۱۸/ جمادی الاول ۱۴۰۲ ھ بمطابق ۱۴/ مارچ ۱۹۸۲ء بروز دوشنبہ ۲۲/سال کی عمر میں) آپ نے وہاں فضیلت کی تعلیم اعلیٰ نمبروں سے کامیابی حاصل کی۔

اساتذہ:

حضرت کی عظمت و بزرگی کے لیے یہی کافی ہوگا کہ آپ نے حضور مفتی اعظم ہند، حضور ریحان ملت، شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی، بحر العلوم علامہ مفتی عبد المنان اعظمی، فقیہ ملت حضرت مفتی جلال الدین احمد امجدی اور امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی علیہم الرحمۃ جیسے عظیم ہستیوں کی بارگاہ میں زانوئے ادب تہہ کیں۔

شرفِ بیعت

نیز آپ علیہ الرحمۃ ایسے ہستی سے بیعت ہیں جنہیں دنیا (شبیہ غوث اعظم، مرجع العلماء والمشائخ، امام العارفین، مجدّد ابن مجدّد شیخ الاسلام والمسلمین وغیرہ) القابات سے یاد کرتی ہے میری مراد حُضور مفتی اعظم ہند امام مصطفی رضا خان قادری نوری قدس سرہ القوی کی ذات ہے چنانچہ مناظر اہل سنت کو حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ الرضوان نے (۱۹۷۸ء میں) سلسلہ قادریہ، برکاتیہ رضویہ، نوریہ میں (دوران درس) داخل فرمایا۔

تدریسی زندگی

بعد فراغت آپ رحمۃ اللہ علیہ تدریس کا آغاز مدرسہ انوار العلوم جین پور (اعظم گڑھ اتر پردیش) سے کی نیز اپنے کرم فرما استاذ امام علم وفن (حضرتِ خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی رحمۃ اللہ علیہ) کے ایماء پر وہاں سے اپنے علاقے میں حُضور مفتی اعظم ہند نور اللہ مرقدہ کا قائم کردہ ادارہ (الجامعۃ النظامیہ فیض العلوم م ملک پور دلکولہ: جو آباد پور سے تقریباً دو گھنٹے کا راستہ ہے) کی جانب رخت سفر باندھے اور یہاں کچھ عرصہ تک تدریس فرمائے۔

بعد ازاں مغربی بنگال (اشاپور وعلی پور کلیا چک) میں تشریف لے گئے اور وہاں تقریباً سات برس تک مسلسل دینی خدمات انجام دیں اسی طرح آپ کا قائم کردہ (دار العلوم جہانگیریہ منظر اسلام بجہاری) میں تقریباً پچیس برس تک تدریس فرماتے رہے۔

مناظرہ زندگی

ویسے تو آپ علیہ الرحمۃ نے میدان مناظرہ میں دور طالب علمی ہی میں قدم رکھ دیا تھا محض ۱۶/ برس کی عمر میں مولوی حفیظ الدین دیوبندی (بڑانلسر) سے میلاد و قیام، حاضر و ناظر، کے موضوع پر مناظرہ کی۔ آپ اس وقت جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے متعلم تھے نیز بعد فراغت آور بڑا (ضلع مالدہ) میں اذان ثانی کے متعلق مولوی شفاعت اللہ دیوبندی سے مناظرہ کیے۔

(اس وقت آپ آشاپور کے صدر مدرس تھے)اور مدرسہ دارالعلوم جہانگیریہ منظر اسلام بچپاری میں تشریف آوری کے بعد متعدد جگہوں میں مناظرہ کیے جو دیوبندی بن چکے تھے آپ نے اُنہیں (اللہ کے فضل وکرم) سے سنی بنائے۔

اس حوالے سے مولانا شہاب الدین رضوی (حضرت کے شاگرداور بھائی) کا بیان ہے۔

"اگر حضرت مناظر اہلسنت اس علاقے میں جلوہ گر نہ ہوتے تو بہت سے لوگ دیوبندی ہوجاتا حتیٰ کہ میں بھی ہوجاتا مگر یہ اللہ جل شانہ کا فضل اور اُن کا احسان ہے کہ مناظر اہلسنت کے ذریعے بڑھتے ہوئے دیوبندی فتنے کی سرکوبی کی اور آج ہم سنی ہیں"

جامع خطابت

آپ کی ہیبت سے دیوبندی وہابی کانپتے تھے چنانچہ کہیں بھی آپ خطابت کے کے لیے مدعو کیے جاتے تو تقریر کا،موضوع اکثر رد وہابیت کا ہوتا آغاز تقریر یوں ہوتا: سے پہلے حصولِ برکت کے لیے کلام الامام امام الکلام کلام اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی رضی المولیٰ تعالی عنہ سے ابتداء کرتے بعدہ تمہیدی گفتگو پھر رد دیوبندیت پر دھواں دار، پرجوش خطاب کرتے۔ نیز آپ کی تبحر علمی وحاضر دماغی کا حال یہ تھا کہ اگر کوئی مجلس سے اعتراض کرتا تو فی البدیہہ عقلی نقلی دلیلوں سے تشفی بخش جواب دیتے۔

اسی جامع خطاب کے ذریعے بہت سے لوگ (جو دین وسنیت سے دیوبندیت کی طرف مائل ہو گیے تھے) آپنے انھیں دین سے قریب کیا اور حکمت عملی، فہم وفراست کے بل بوتے سوادِ اعظم مسلک اہلِ سنت (مسلک اعلیٰ حضرت) کی سچی ترجمانی کی۔

راقم کا مشاہدات

جہاں تک میرے مشاہدات کا تعلق ہے تو کئی مرتبہ مناظرِ اہلِ سنت کے ساتھ دورہ تبلیغ میں رفاقت کا موقع میسر آیا چنانچہ ایک مرتبہ (راقم السطور 2015ء میں) حضرت کے ساتھ جلسہ (رد وہابیت کے موقع پر) بستی چرکھوڑا میں تھا۔ جسمیں خصوصی خطاب کے لیے سیف رضا علامہ عبدالمصطفیٰ حشمتی صاحب کو مدعو کیا گیا تھا اور اس اجلاس کی روح رواں وصدر حضرت ہی تھے۔

ہر طرف عشاقان نبی ﷺ کی جم غفیر وہجوم تھی کہ آج دشمنانِ نبی کی پوسٹ مارٹم ہوگا کچھ شہرہ آفاق نقیب بھی آئے تھے جن کے لبِ حسن پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری قدس سرہ کی وہ مشہور اشعار "دشمنِ احمد پہ شدّت کیجئے" پڑھ رہے تھے اور چاروں طرف سے نعروں کی گونج تھی، رونقِ محفل بھی پر جوش کے ساتھ تشریف فرما تھے۔

آخر میں حشمتی صاحب کی تقریر اختتام پذیر ہونے کے بعد آپ علیہ الرحمہ کی جب باری آئی تو حشمتی صاحب کی تقریر کا حوالہ دے کر پورے وہابیت و دیوبندیت کو چیلنج کردیا اور للکارتے ہوئے فرمایا: ''جس کسی کو ان عبارات میں شک شبہ ہو تو ''طفیل احمد'' ابھی زندہ ہے اگر کوئی مائی کا لال ہے تو وہ سامنے آئے ان سے میں بحث ومباحثہ کے لیے ہر وقت تیار ہوں'' پھر کیا تھا پورے مجمع میں ایک عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی اور آپ علیہ الرحمۃ کی اس چیلنج پر داد پر داد لوگ دیتے رہے یقیناً حضرتِ قبلہ ایک مردمجاہد تھے کہ مناظرے کا چیلنج کوئی آسان کام نہیں ۔اللہ تبارک وتعالیٰ مناظر اہل سنت کے تربت کو نور سے منور فرمائے (آمین)

تبلیغی دورے

عمومی طور پر شہروں اور گنجان آباد علاقوں میں رہنے والے لوگوں کے اندر دینی شعور تھوڑا بہت ہوتا ہے، جبکہ شہروں سے دور رہنے والے لوگ بعض دفعہ دینی تعلیمات سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ایسے عالم میں لوگ گمراہیت کے دلدل میں پھنس کر رہ جاتے ہیں چنانچہ مناظر اہل سنت نے ایسے علاقوں میں دورے کیے اُن کو داخلہ بیعت فرمایا اور مسلک اعلیٰ حضرت کی شمع اُن کے

دلوں میں منتقل کر دیا۔

اس حوالے سے صوبہ بنگال و بہار اور جھاڑ کھنڈ، کے اکثر اضلاع جس میں (شہر کلکتہ، سلی گڑی، راج محل، مرشد آباد، بیر بھوم، کشن گنج، کلیا چک، مالدہ، کٹیہار، رائے گنج، بنگلہ دیش بوڈر آتے ہیں) اور مختلف علاقوں میں چھوٹے بڑے دیہاتوں میں آپ کے تبلیغی دورے ہوئے۔

اخلاق وکردار

مناظر اہلِ سنت ایک جامع الصفات شخصیت کے حامل تھے، آپ جہاں ایک باصلاحیت مدرس، مفتی، مناظر، مبلغ وخطیب تھے، وہیں آپ اخلاق کے دھنی بھی تھے۔

آپ کے خلوص وایثار حسن سادگی اور اخلاقِ عالیہ کے مخالف وموافق سبھی معترف تھے۔علماء ومشائخ کے ساتھ آپ کا حسن سلوک اسٹیج پر نشست وبرخاست جلوت وخلوت میں گفت وشنید کے دوران آپ کے معاملات کو راقم السطور نے بنفس نفیس دیکھا۔

اسی حسن کردار کی وجہ سے آج بھی لوگ آپ کو یاد کرتے رہتے ہیں حتی کہ آپ کے بعض متعلقین تو آپ کی محبت میں باضابطہ روتے ہیں، نیز غیر مسلم بھی آپ کے اخلاق وکردار سے متأثر تھے، گویا آپ اخلاق نبوی ﷺ کے مظہر اتم تھے۔

تصلب فی الدین

یہ وہ عظیم وصف ہے جو مرد مومن کو بہت سے درجات و مناصب جلیلہ سے معراج کمال اللہ ورسول ﷺ کی محبوبیت تک پہنچا دیتا ہے، چنانچہ مناظر اہلِ سنت کی زندگی کا جب ہم نے جائزہ لیا تو آپ اس عظیم وصف کے سچے مصداق تھے، اسکی تصدیق یہ ہے کہ آپکے کچھ رشتدار بدمذہب بھی ہے مگر ان رشتوں کے پرواہ کیے بغیر ہر قسم کے تعلقات الغرض ہر وہ کام جس سے بدمذہبوں سے انسیت و وابستگی یا میلان کا اظہار ہو ان سے دوریاں فرماتے اور اسی لیے مناظر اہلسنت اپنے وصیت میں یہ فرماتے تھے کہ میری وصیت میرے مریدوں احباب خاندان کے لیے یہی ہے کہ دیوبندی وہابی صلح کلی جیسے گندے عقائد سے کسی طرح کی رشتہ داری نہ رکھے اور سختی سے مسلک اعلی حضرت پہ قائم رہیں۔

دارالعلوم جہانگیریہ منظر اسلام کا قیام

یہ ادارہ آباد پور تھانہ کے قریب واقع ۲ رکیلومیٹر کے فاصلے پر مقام بچپاری میں قائم ہے، ادارے کی زمین کا کچھ حصّہ بہار اور کچھ حصہ بنگال میں ہے۔ نیز ادارے کو قائم کرنے کا سبب یہ بنا، کہ آباد پور کے گردو نواح، بستیوں میں اس وقت باضابطہ طور پر اہلِ سنت والجماعت کا کوئی معیاری تعلیمی ادارہ نہ تھا جس کی بنا پر مناظر اہلسنت نے اس ضرورت حال کو محسوس کیں اور آپ کی مسلسل جد وجہد نے ادارہ ھذا (سن ۱۹۸۹ء کو) قیام عمل میں لایا۔

المختصر یہ کہ ادارے کی تعلیمی، تعمیری وترقی کیلئے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پوری زندگی وقف کردی نیز آپ کی یہ ہمت مردانگی ہی تھی کہ ایک جنگل میں عظیم مدرسے کی بنیاد ڈالی اور آج علاقے میں یہ مدرسہ (دارالعلوم جہانگیریہ منظر اسلام بچپاری) مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔

تصنیف وتالیف

مناظر اہلِ سنت علیہ الرحمہ کا زیادہ تر وقت تدریس وخطابت، بحث ومناظرہ اور دعوت وتبلیغ میں گزرا، لہٰذا آپ علیہ الرحمۃ کو تحریر وتصنیف کے لیے بہت کم اوقات میسر آیا اس کے باوجود آپ نے کئی یادگار تصنیفیں بھی چھوڑی لیکن افسوس! کہ کسی نے اس کو سرقہ بازی کر کے اہم درسی کتب کے (شرح ونوٹس) ضائع کر دیا، اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب فرمائے (آمین)

اجازت وخلافت

چونکہ آپ علیہ الرحمۃ کا دینی خدمات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکی تھی (خواہ درس وتدریس کی خدمات ہو، مساجد ومدارس کا قیام ہو، نیز قریہ قریہ، گاؤں گاؤں جا کر دین وسنیت کی تبلیغ کے حوالے سے ہو اسی طرح فرقہ باطلہ سے مناظرہ ہو وغیرہ) لہٰذا آپ کو انعام تو ملنا ہی تھا چنانچہ اسی دینی خدمات کے جذبے کو دیکھ کر تین بزرگوں نے آپ علیہ الرحمۃ کو اجازت وخلافت سے نوازا۔

وہ تین عظیم بزرگ یہ ہیں (۱)

بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، خلیفۂ حضور مفتیِ اعظم، پیر طریقت حضرت علامہ مفتی عبد الخالق نوری پورنوی دامت برکاتہم العالیہ (سابق شیخ الحدیث منظر اسلام بریلی شریف)

(۲) نبیرۂ اعلیٰ حضرت جگر گوشہ ریحان ملت، پیر طریقت تاج السنہ حضرت علامہ الشاہ محمد توصیف رضا خاں قادری بریلوی دامت برکاتہم الاقدس

(۳) اور مناظر اعظم ہند فقیہ النفس خلیفہ حُضور مفتی اعظم حضرت علامہ مفتی مطیع الرحمٰن رضوی پورنوی دام ظلہ علینا

وصال شریف ایک لمحۂ فکر

حضرت کو مار دیا گیا، معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ آپکے قریبیوں میں سے آپ کو شہید کروا دیا گیا جادو ٹونہ (جو غیروں کا طریقہ ہے) کے ذریعے آپ کو کافی دن تک علالت میں رکھا اذیتیں دیتے رہے۔

چنانچہ یہ تقویٰ وطہارت کا پیکر، حسنِ اخلاق کا مظہر، عشق ووفا کا چمکتا آئینہ، دین وسنیت ارہنما ہمیشہ کیلیے ۲۲ ذی الحجہ (ولادتِ حضور مفتیِ ہند) ۱۴۳۷ھ بمطابق ۲۳ ستمبر ۲۰۱۶ء بروز شبِ جمعہ ۲ بج کر ۲۵ منٹ پر بحالت علالت ذکرِ الٰہی کرتے ہوئے اس دار فانی سے داعئ اجل کو لبیک کہہ گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ﴿۱۵۶﴾

جنازہ وآخری آرام گاہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ہمہ گیر مقبولیت وشہرت عطا فرمائی چنانچہ آپ کا جنازہ شاہد ہے کہ لاکھوں کی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔ آپ کے مرشد اجازت و استاذ شیخ العلماء حضرت علامہ مفتی عبد الخالق نوری پورنوی اطال اللہ عمرہ (سابق شیخ الحدیث جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف) نے یہ جملے فرمائے:

"جنازے میں اتنے کثیر تعداد میں لوگوں کا جمع ہونا اس بات کی بین ثبوت ہے کہ وہ بڑے نیک مقبول تھے اور یہ سب اُن نیک اعمال کی برکتیں ہیں"

نیز آپ کی نمازِ جنازہ (مناظر اعظم حضرت علامہ مفتی مطیع الرحمٰن رضوی پورنوی دام ظلہ علینا) نے پڑھائی۔ اور۔ مدرسہ دار العلوم جہانگیریہ منظر اسلام بچہاری شریف (چانچل مالدہ بنگال) کے احاطے میں آپ ابدی آرام فرما ہیں۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اللہ تعالیٰ حضرتِ مناظر اہل سنت (مفتی طفیل احمد رضوی نوری قدس سرہ) کی درجات کو بلند فرمائے اور اُن کے فیوض و برکات سے ہمیں مالا مال فرمائے، بالخصوص اُن کی دینی خدمات کو ہمارے لیے مشعلِ راہ بنائے آمین بجاہ النبی الامین ﷺ

ازقلم: محمد توصیف رضا قادری علیمی (بانی الغزالی اکیڈمی واعلیٰ حضرت مشن، آباد پور تھانہ (پرمانک ٹولہ) ضلع کٹیہار بہار، الھند:
متعلم: دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی، بستی۔ یوپی۔
شائع کردہ: ۲۱/جولائی ۲۰۲۲ء

☆☆☆

منظومات:

زمین وزماں تمھارے لیے

از: اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ

☆☆☆

زمین وزماں تمھارے لیے مکین ومکاں تمھارے لیے
چنیں وچناں تمھارے لیے بنے دوجہاں تمھارے لیے
دہن میں زباں تمھارے لیے بدن میں ہے جاں تمھارے لیے
ہم آئے یہاں تمھارے لیے اٹھیں بھی وہاں تمھارے لیے
فرشتے خِدَم رسولِ حِشَم تمامِ اُمَم غُلامِ کرم
وُجود وعَدم حُدوث وقِدم جہاں میں عیاں تمھارے لیے
اِصالتِ کُل، اِمامتِ کُل، سِیادتِ کُل، اِمارتِ کُل
حکومتِ کُل، وِلایتِ کُل خدا کے یہاں تمھارے لیے
تمھاری چمک، تمھاری دمک، تمھاری مہک
زمین وفلک، سِماک وسمک میں سکّہ نشاں تمھارے لیے
یہ شمس وقمر، یہ شام وسحر، یہ برگ وشجر، یہ باغ وثمر
یہ تیغ وسپر، یہ تاج وکمر، یہ حکم رواں تمھارے لیے
سَحابِ کرم روانہ کیے کہ آبِ نِعَم زمانہ پیے
جو رکھتے تھے ہم وہ چاک سیے یہ سترِ بداں تمھارے لیے
نہ روحِ امیں نہ عرشِ بریں نہ لوحِ مبیں کوئی بھی کہیں
خبر ہی نہیں جو رمزیں کُھلیں ازل کی نہاں تمھارے لیے
جناں میں چمن، چمن میں سمن، سمن میں پھبن، پھبن میں دُلھن
سزائے مِحَن پہ ایسے مِنَن یہ امن واماں تمھارے لیے
خلیل ونجی، مسیح وصفی سبھی سے کہی کہیں بھی بنی
یہ بے خبری کہ خَلق پھری کہاں سے کہاں تمھارے لیے
اشارے سے چاند چیر دیا چھپے ہوئے خور کو پھیر لیا
گئے ہوئے دن کو عصر کیا یہ تاب وتواں تمھارے لیے
صباہ وہ چلے کہ باغ پھلے وہ پھول کھلے کہ دن ہوں بھلے
لِوا کے تلے ثنا میں کھلے رضاؔ کی زباں تمھارے لیے

بارہویں کی صبح

ازقلم: محبوب گوہر اسلام پوری
[الجامعۃ الرضویہ مغلپورہ پٹنہ سٹی]

☆☆☆

روشن ہوا ہے ماہِ حرا بارہویں کی صبح
وردِ زباں ہے صلِ علیٰ بارہویں کی صبح

شائستگی کو نور، شرافت کو پیرہن
تہذیب کو ملی ہے بقا بارہویں کی صبح

کاسہ لئے کھڑے ہیں ستارے زمین پر
تقسیم ہورہی ہے ضیا بارہویں کی صبح

کچھ اور بھی مہینے کی صبحیں ہیں یادگار
لیکن ہے خوبیوں میں جُدا بارہویں کی صبح

دَھم سے گرے زمین پہ کعبہ کےسارے بت
جب آگئے رسولِ خدا بارہویں کی صبح

میلادِ مصطفیٰ کی ہے ہرسو چہل پہل
خوشبو اُڑا رہی ہے ہَوا بارہویں کی صبح

گوہر مرے رسول نے آتے ہی ڈال دی
پھولوں کے تن بدن پہ قبا بارہویں کی صبح

☆☆☆

کرو ہم پہ یٰسین دمِ غوثِ اعظم

از: سرکار مفتیِ اعظم ہند علیہ الرحمہ

☆☆☆

تجلی نور قِدَم غوث اعظم
ضیائے سراج الظلم غوث اعظم
ترا حِل ہے تیرا حرم غوث اعظم
عرب تیرا تیرا عجم غوث اعظم
وہ اک وار کا بھی نہ ہوگا تمہارے
کہاں ہے مخالف میں دم غوث اعظم
ترے ہوتے ہم پر ستم ڈھائیں دشمن
ستم ہے ستم ہے ستم غوث اعظم
نہیں لاتا خاطر میں شاہوں کو شاہا
ترا بندۂ بے درم غوث اعظم
کرم چاہئے تیرا تیرے خدا کا
کرم غوث اعظم کرم غوث اعظم
کچھ ایسا گما دے محبت میں اپنی
کہ خود کہہ اٹھوں میں منم غوث اعظم
خدا رکھے تم کو ہمارے سروں پر
ہے بس اک تمہارا ہی دم غوث اعظم
دمِ نزع سرہانے آجاؤ پیارے
تمہیں دیکھ کر نکلے دم غوث اعظم
دمِ نزع آؤ کہ دم آئے دم میں
کرو ہم پہ یٰسین دم غوث اعظم
یہ دل یہ جگر ہے یہ آنکھیں یہ سر ہے
جہاں چاہو رکھو قدم غوث اعظم
تمہارے کرم کا ہے نوری بھی پیاسا
ملے یم سے اس کو بھی نم غوث اعظم

☆☆☆

منقبت در شانِ حافظ ملت علیہ الرحمہ

[الحمد للہ میں نے یہ اشعار اپنے مادر علمی، الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ میں روضۂ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے پاس بیٹھ کر لکھے ہیں]

تذکرہ کیسے کروں میں تری دانائی کا
میری حد میں نہیں رتبہ تری بالائی کا
یاد آتی ہے نظر، حافظ ملت! تیری
ذکر آجاتا ہے جب علم کی بینائی کا
نہ تکلف، نہ بناوٹ، نہ دکھاوا، نہ غرور
فلسفہ سب سے جدا ہے تری رعنائی کا
تیری دہلیز سے ملتا ہے جبینوں کو وقار
ہے اثر خاک میں بھی تیری مسیحائی کا
لوگ اب دیکھتے ہیں قدر کی آنکھوں سے مجھے
سارا اعزاز ہے یہ تجھ سے شناسائی کا
جب ترے قطروں کی وسعت پہ ہے عالَم حیراں
کیسے اندازہ لگے پھر، تری گہرائی کا
اِس گلستاں کی بہاریں ہیں خزاں سے آزاد
اشرفیّہ میں ہے جلوہ تری زیبائی کا
جِس کے کانوں میں سمائی ہو تری بزم کی گونج
پھر وہ شیدا ہو بھلا کیوں کسی شہنائی کا
سچ کے عرفاں سے ہیں محروم، مخالف تیرے
اُن کا یہ شُغل ہے دارین کی رُسوائی کا
دن بدن بڑھتا ہی جائے گا، ترے ذکر کا نور
تا ابد گونجے گا نغمہ، تری دارائی کا
شعر ہوں رنگِ عقیدت میں فریدی! کامل
مجھ کو آجائے ہنر، قافیہ پیمائی کا

☆☆☆

از: فریدی صدیقی مصباحی بارہ بنکوی، نوری مسجد مسقط عمان

جماعتی خبریں:

خانقاہ برکاتیہ کی محفلوں کی انفرادیت

محمد شاداب امجدی برکاتی

استاذ جامعہ احسن البرکات مارہرہ شریف

☆☆☆

مرکز قادریت خانقاہ برکاتیہ میں شرف قیام کا تین سال مکمل ہو چکا ہے۔ اس عرصے میں متعدد محفلوں میں شرکت کی سعادت ملی۔ جو روحانیت یہاں کی محفلوں میں دیکھنے اور محسوس کرنے ملی، وہ کہیں نہ ملی۔

(۱) تمام محفلوں میں جو بات قدر مشترک ہے وہ یہ ہے کہ کلام صرف نعت کا پڑھا جائے گا، حالانکہ یہاں کثیر بزرگان دین آسودۂ خواب ہیں مگر شاید ہی عرس کے علاوہ دیگر محافل میں ان کی شان میں منقبتیں پڑھی جاتی ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ اس طریقے کی تربیت یہاں کے بزرگوں سے چلی آ رہی ہو کہ

میں سب کو مانتا ہوں مگر مصطفی کے بعد

(۲) نعتیہ کلام پیش کرنے کے لیے بھی معیار انتخاب عالی ہونا چاہیے یعنی اکابر اہل سنت بالخصوص اعلیٰ حضرت اور مفتیِ اعظم ہند اور استاذ زمن علامہ حسن رضا بریلوی علیہم الرحمہ کے کلام پڑھے جاتے ہیں۔ اگر ان بزرگوں کے علاوہ ہوں تو حضرت نظمی میاں، حضرت تاج الشریعہ علیہما الرحمہ یا شرف ملت سید محمد اشرف میاں مارہروی صاحب کے نعتیہ کلام ہوں گے۔

حالانکہ یہ بھی واضح رہے کہ ان بزرگوں کے ہی کلام پڑھنے پر اجبار نہیں ہے مگر ماحول ایسا بنایا گیا ہے کہ معیاری کلام کے علاوہ طلبہ پڑھتے ہی نہیں۔ کبھی کسی جدید طالب علم نے موجودہ دور کے نذرانہ خور شعرا کا کلام شروع بھی کر دیا تو طلبہ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگتے ہیں اور پڑھنے والا بھی یہی تاثر لے کر بیٹھتا ہے کہ یہ پہلی اور آخری دفعہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے دیکھا ہے کہ یہاں کے طلبہ کو بالعموم مذکورہ بزرگوں کے کلام کے اشعار یاد ہوتے ہیں۔

(۳) اور یہ روحانی و عرفانی منظر تقریباً ہر محفل میں دیکھنے اور محسوس کرنے کو ملتا ہے کہ جب ان بزرگوں کے کلام کی کوئی طالب علم زمزمہ سنجی کرتا ہے تو محفل مین موجود ہر شخص اس کی آواز سے آواز ملا کر سنج ہو جاتا ہے اور پوری محفل پر ایک عجب کیف و مستی چھا جاتی ہے۔ نہ درمیان میں واہ واہی کا شور اور نہ ہی نعتیہ اشعار کے درمیان فلک شگاف نعرے۔ اکثر نظریں جھکی ہوئیں اور جسم وجد میں ہوتا ہے۔

(۴) مذکورہ انفرادیت کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ نعت شریف کی طرز بھی نہایت ہی پرسکون اور دلوں میں گھر کرنے والی، روایتی جلسوں میں گلا پھاڑ کر پڑھنے والوں اور لمبی سانس کی کرامتیں دکھانے والے پیشہ ور شعرا سے کوسوں دور، اور ایک مصرع کی کثرت تکرار سے بھی احتراز ہوتا ہے۔

(۵) پورے سال منعقد ہونے والی متعدد محافل وہ چاہے عرس کی ہوں یا دیگر، کوئی بھی محفل رات میں بارہ بجے کے بعد تک نہیں جاتی تا کہ اگلی نماز صبح قضا نہ ہو۔

(۶) سب سے اخیر میں وہ انفرادیت ذکر کر رہا ہوں، جس کا تذکرہ یہاں آنے سے پہلے استاذ گرامی مرتبت، حضرت محدث کبیر کی ایک تحریر میں پڑھا تھا۔ (جو سید ین نمبر میں شائع ہے) جو کیفیت میرے استاذ کی تھی وہی کیفیت یہاں میری بھی ہے۔ جس منظر کو سن کر کان کے لیے یقین کرنا مشکل ہو جاتا تھا آج آنکھوں سے دیکھ کر جب عین الیقین حاصل ہوا تو اپنے مرشدان گرامی پر رشک بھی آیا اور زبان شکر خداوندی سے تر ہو گئی۔

وہ انفرادیت دراصل وہ منظر ہے جس میں سرکاران مارہرہ، مرشدی امین ملت حضرت سید شاہ امین میاں صاحب قادری، حضرت رفیق ملت سیدی سید شاہ نجیب حیدر میاں نوری برکاتی، حضرت شرف ملت سید شاہ محمد اشرف میاں مارہروی اور اس نور والے گھرانے کا ہر نوری فرد، سامعین کے برابر میں بیٹھا ہوا ہوتا ہے اور ہم جیسے نکموں، گناہ کے بوجھ میں دبے ہوؤں کو خود سے

اوپر یعنی منبر پر بٹھایا جاتا ہے۔

دسویں محرم الحرام ۱۴۳۹ھ کی شب تھی، حضرت سیدنا برکت اللہ شاہ عشقی رضی اللہ عنہ کے عرس کی محفل تھی، یہ پہلا موقع تھا جب ان آنکھوں نے یہ منظر دیکھا تھا۔ جامعہ احسن البرکات کے ایک دو اساتذہ منبر پر تھے، ہم بھی جا کر بیٹھ گئے مگر جب شہزادگان مارہرہ کی آمد ہوئی اور سبھی استقبال کے لیے کھڑے ہوئے تو میں منبر سے اتر آیا۔ شہزادگان مارہرہ نے فرش پر سامعین کے برابر میں نزول اجلال فرمایا اور ہمیں اشارہ ملا کہ منبر پر بیٹھ جائیں۔ مگر مجھ میں ہمت نہیں ہو رہی تھی، میں یہ سوچ رہا تھا کہ میں تو اس در کا ایک کتا ہوں، اگر یہ اقطاب و مشائخ مجھے اپنے در کا کتا ہونا ہی قبول فرمالیں تو یہی کافی ہے۔ ابھی اندر موجود ہوں کیا اتنا کافی نہیں ہے جو اب اپنے مرشد گرامی اور دیگر لائق صد احترام سادات سے اوپر بیٹھا ہوں۔ مگر ہم تو ٹھہرے غلام جس کے لیے حکم سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا، لہذا ”الأ مر فوق الأ دب“ کے پیش نظر منبر پر بادل ناخواستہ بیٹھ گیا۔ پھر چند مہمان علما کی آمد ہوئی اور میں نے موقع غنیمت جانا اور نیچے اتر آیا۔ درگاہ شریف میں منعقد ہونے والے ہر پروگرام کا یہی منظر ہوتا ہے۔

(۷) عرس قاسمی برکاتی میں آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نعلین مبارک، (جو متصل السند ہے) مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جبہ شریف اور ریش مبارک کا بال شریف، سرکار غوث اعظم کے عطا کردہ تسبیح کے دانے، حضرت شاہ برکت اللہ اور دیگر اولیا و مشائخ ماہرہ کے تبرکات کی عوامی زیارت سے شرفیاب کیا جاتا ہے۔

یکم محرم الحرام ۱۴۴۴ھ

۳۱/ جولائی ۲۰۲۲ء

پوپری میں جلوس محمدی وجشن عید میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منعقد ہوا۔

ادارہ:

☆☆☆

جماعت رضائے مصطفیٰ شاخ سیتامڑھی کے بینر تلے پوپری کے بازار سمیتی میدان میں جلوس محمدی وجشن عید میلا دالنبی ﷺ کا انعقاد کیا گیا جس میں پوپری بلاک کے تقریباً سبھی بستیوں سے عاشقان رسول ﷺ نے اپنے اپنے جلوس کو لے کر شرکت کیا۔ پوپری، جھبھٹ، بیدول، بیدول گوٹ، علی نگر، احمد نگر مدھوبنی، رضا باغ گنگٹی، بچھار پور، کیول پور، سینگیاہی، بھاما، رام پور، کے علاوہ اور بھی گاؤں ومحلہ سے جلوس محمدی کا قافلہ یہاں بازار سمیتی پوپری میں شریک ہوا۔ جماعت رضائے مصطفےٰ صدر مولانا صلاح الدین قادری نے صدارت کی ذمے داری نبھائی،، تلاوت قرآن پاک قاری نیاز عالم، نعت پاک مولانا استخار عالم، تقریر مولانا اسلم رضوی، سلام حافظ قمر عالم، قل شریف مولانا امتیاز عالم و مولانا انضمام الحق اور دعا مولانا عبد الرقیب صاحب نے کی۔ ان حضرات کے علاوہ گرد و نواح کے جملہ ائمہ وعلما زینت اسٹیج رہے۔ وہیں علاقے کے سبھی ذمے دار اور انومنڈل کے عہدہ داران، پوپری تھانہ کے عہدہ و داران و پولیس کرمی، پوپری پرکھنڈ وکاس کے عہدہ داران اور نگر دفتر کے عہدہ داران موقع پر موجود تھے۔ جشن عید میلا دالنبی ﷺ بڑے امن وشانتی اور خوش گوار ماحول میں بنا گیا جس سے موجود سرکاری وغیر سرکار عہدہ داران بڑے خوش ہوئے، یہ جلوس محمدی وجشن میلاد کا پروگرام ہر سال اسی تاریخ میں اسی گراؤنڈ میں منعقد ہوتا ہے۔

☆☆☆

جامعہ فیض الرضا ددری میں جلوسِ محمدی ﷺ

از: محمد عامر حسین مصباحی: رسول گنج عرف کوئلی

☆☆☆

بہار کی معروف دینی درس گاہ جامعہ ضیائیہ فیض الرضا ددری میں آمدِ سرورِ کائنات ﷺ کے پُر بہار اور پُرمسرت موقع پر نہایت ہی تزک و احتشام کے ساتھ جلوسِ محمدی ﷺ نکالا گیا جس میں طالبانِ علومِ نبویہ نے نہایت ہی ادب و احترام اور شائستگی کا مظاہرہ کیا اور ددری و قرب و جوار کے سنی صحیح العقیدہ مسلمانوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔

اس موقع پر ددری گاؤں کے خوش عقیدہ افراد نے جگہ بہ جگہ طلبہ اور اساتذۂ جامعہ کا شاندار استقبال کیا۔

جلوس، دُرود وسلام اور مرحبا یا مصطفیٰ کی پاکباز صداؤں سے فضاؤں کو معطر و پاکیزہ کرتا ہوا جامعہ سے نکل کر فنِ تعمیر کی عظیم شاہکار مسجد "مسجد برکاتِ رضا ددری" سے ہوتے ہوئے گاؤں کے اندر ددری چوک پر پہنچا جہاں تھوڑی دیر جلوس رُکا اس وقفہ میں جامعہ کے شیخ الحدیث وصدر المدرسین جامع معقولات ومنقولات حضرت علامہ مفتی راحت احسان برکاتی صاحب قبلہ نے حضور کی آمد پر مختصر مگر بہت ہی جامع خطاب فرمایا جس میں حضرت نے قرآن و حدیث کی روشنی میں آمدِ سرکا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے موقع پر مسرت وشادمانی، فرحت وسرور، چراغاں کرنے، گلیاں سجانے اور جھنڈے لگانے پر دلائل پیش فرمائے نیز عید میلاد النبی کو عالمی تہوار کے طور پر منانے کی ترغیب دی پھر اس کے بعد جلوس مختلف مراحل سے گزرتا ہوا محسنِ سنیت برادرِ فقیہِ اسلام الحاج محمد تسلیم رضوی علیہ الرحمہ سابق ناظمِ اعلیٰ جامعہ ضیائیہ فیض الرضا ددری کے گھر پر پہنچا۔ وہاں مختصر محفل کا انعقاد ہوا۔ حضرت قاری محمد رضا صاحب قبلہ نے قرآنِ مقدس کی تلاوت سے محفل کا آغاز کیا بعدہ جامعہ کے شعبۂ حفظ وقراءت کے موقر استاذ شاعرِ ذی وقار حضرت قاری نیاز احمد نورانی صاحب نے آمدِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے سے خوبصورت کلام پیش کیا بعدہ پھر حضور شیخ الجامعہ کا دلائل وبراہین سے مزین خطاب ہوا اس کے بعد صلاۃ وسلام پر محفل کا اختتام ہوا۔ اور قاری محمد رضا صاحب کی قیادت میں اہلِ محلہ (غوثیہ محلہ ددری) کی جانب سے تمام طلبہ واساتذہ اور دیگر تمام شرکاء کی شاندار ضیافت ہوئی۔

اس حسین موقع پر جامعہ کے تمام اساتذہ بالخصوص ناظمِ جامعہ حضرت مولانا محمد شہاب الدین صاحب قبلہ، حضرت مولانا مفتی خلیل احمد مصباحی، حضرت مولانا صلاح الدین مصباحی، حضرت مفتی معراج احمد مصباحی، حضرت مفتی قمر رضا مصباحی، حضرت قاری اسلم رضا اشرفی، حضرت قاری توقیر رضا، ماسٹر سعید احمد، ماسٹر ضمیر الحق صاحبان اور راقم الحروف (محمد عامر حسین مصباحی) موجود تھے۔

یقیناً یہ پورا ایک روح پرور اور عشق وایمان کو جلا بخشنے والا منظر تھا، چلچلاتی ہوئی دھوپ اور گرمی بھی عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ کے جوش وجذبہ کو سرد نہ کرسکی بلکہ یہ مزید حوصلہ اور جذبہ پیدا کرنے میں مؤثر ثابت ہوئی۔

اللہ رب العزت ادب واحترام کے ساتھ آمدِ حضور علیہ السلام پر خوشیاں منانے کی بار بار ہمیں توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

☆☆☆

از: محمد عامر حسین مصباحی رسول گنج عرف کوئیلی
خادم التدریس: جامعہ ضیائیہ فیض الرضا ددری
مدیر: سہ ماہی پیامِ بصیرت، سیتامڑھی